(حصۂ غزلیات)

از

ناظم انصاری

قیمت بارہ آنے ۱۲ر

رائے عالی

عالی جناب مستطاب حضرت مولانا عبدالحق صاحب بی۔اے زادمجدہٗ

سکرٹری انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد

مرتّب نصابِ اُردو ممالکِ محروسہ سرکار نظام

"ناظم صاحب کی یہ نظمیں دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ بچّوں اور بچیوں کے لئے انھیں کی زبان میں نظمیں لکھنا بڑا دشوار کام ہے۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ میں نے اکثر شاعروں سے انجمن ترقی اُردو کی ریڈروں کے لئے اس قسم کی نظمیں لکھنے کی درخواست کی لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی بڑے بڑے شاعر ہار مان گئے۔ پھر لطف یہ ہے کہ سب کام کی باتیں ہیں اور شعر کا مزہ بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔ زبان بہت صاف ستھری اور پیاری ہے، اضافت اور عطف کا نام نہیں اور یہ ناظم صاحب کا کمال ہے۔ بچّے انھیں شوق سے پڑھیں گے اور ادب اور سلیقہ سیکھیں گے یہ اُن کے لئے بڑی نعمت ہیں۔"

اودھ پنچ لکھنؤ

اگر اُردو زبان کا آپ کو ادیب بننا ہے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اچھی اُردو سیکھیں

اگر آپ کوثر و سلسبیل سے دُھلی ہوئی زبان کے شائق ہیں

اگر آپ اُن غلطیوں سے بچنا چاہتے ہیں جو عام طور پر اُردو زبان میں رائج ہیں

اگر آپ ہمیشہ خوش و خرم رہنا چاہتے ہیں

اگر آپ واقعاتِ مُلک پر بہترین کارٹون دیکھنا چاہتے ہیں

تو اودھ پنچ (ہفتہ وار) ضرور پڑھیے جس کی سالانہ قیمت طلبا سے صرف للعہ سال ہے

پتا:۔ منیجر اودھ پنچ، وکٹوریہ سٹریٹ، لکھنؤ

جناب السید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔اے زاد عنایتہ
صدر شعبۂ فارسی و اُردو لکھنؤ یونیورسٹی

۲ر دسمبر ۱۹۳۰ء

میں نے جناب ناظم انصاری کی بچگانی نظموں کا مجموعہ جا بجا سے دیکھا۔ بیشتر نظمیں بہت خوب ہیں اور جس غرض سے کہی گئی ہیں اُس کو بخوبی پُورا کرتی ہیں خیال کی سادگی۔ بیان کی صفائی اور زبان کی سلاست کا ہر جگہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ اجنبی فارسی ترکیبوں کا کیا ذکر اِن نظموں میں فارسی کی عطفی اور اضافی ترکیبیں بھی غالباً بالکل استعمال نہیں کی گئی ہیں۔ ابتدا ہی سے نیک خیال بچوں کے دل میں ڈالنا تعلیم اور تربیت کا ایک اہم مقصد ہے اور اس طرح کی نظموں سے اِس مقصد کے حصول میں یقیناً بہت مدد مل سکتی ہے۔ امید ہے کہ حضرت ناظم کی یہ سعی ضرور مشکور ہوگی۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب ام۔اے
صدر شعبۂ فارسی اُردو
لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ

جناب سراج صاحب لکھنوی زاد عنایتہٗ رکن ادارہ مبصر لکھنؤ

جناب ناظم انصاری ملک کے مشہور و معروف ادیب ہیں۔ آپ کی اخلاقی نظموں کا قابل قدر مجموعہ میری نظر سے گزرا۔ جو بچوں کی تعلیم کے لئے بے حد مفید ہے۔ الفاظ نرم ہیں زبان صاف آسان اور بامحاورہ ہے۔ نظموں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جناب ناظم انصاری نے بچوں کے مسئلۂ تعلیم پر کافی غور و خوض کیا ہے۔ اندازِ بیان کافی دل چسپ ہے اور نہایت لطیف پیرائے میں نصیحتیں کی ہیں

ابتدائی درس و تدریس کے لئے جو کتابیں آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں اُن کی بیش تر

بے وقوف کوّا

کوئی کوّا سُنا ہے۔ لے آیا
ایک ٹکڑا کہیں سے روٹی کا

آکے بیٹھا درخت کے اوپر
پڑی اِک لومڑی کی اُس پہ نظر

دل میں اپنے یہ بات وہ سوچی
اس سے کس طرح لیجئے روٹی

پاس آکر درخت کے بولی
"بھائی کوّے سلام میرا بھی

آپ کی خوب صورتی کے نثار
کیوں نہ آئے بھلا ہر اک کو پیار

کالے بھونرے ہیں آپ کے کیا پر
جیسے ہو ساتھ مشک اور عنبر

آپ کے پیر، واہ کیا کہنا
کیا بھلا حوصلہ کبوتر کا

کہ وہ حضرت کے سامنے آئے
اور پیروں پر اپنے اترائے

جس نے تارے نہ دن کو ہوں دیکھے
دیکھے آنکھیں وہ آپ کی آگے

آپ کی چونچ پر جو کیجے نظر
جیسے تلواریں دو تلے اوپر

سیر میں نے بھی کی ہے دُنیا کی
میں خوشامد سے یہ نہیں کہتی

میری آنکھوں میں ہے سبھی کا حُسن
ہے مگر آپ کا نرالا حُسن

یہ بھی سُنتی ہوں آپ کا گانا
سُن کے ہے بُلبُلوں کو غش آتا

میں نے لیکن سُنا نہیں اس کو
مجھ کو اس کا یقین کیوں کر ہو

اِک پھڑکتی سی آپ گائیں غزل
میری یہ آرزو بھی جائے نکل

دیکھوں گانے کا آپ کے انداز
آپ پھر دیکھئے گا بندہ نواز

کیسا حضرت کا دم میں بھرتی ہوں
کیسا سب کو ذلیل کرتی ہوں"

اپنی تعریف سُن کے وہ کوّا
ایسا پھولا کہ بن گیا کپّا

دل میں یہ بات اپنے وہ سوچا — لاؤ اس کو سُنا بھی دیں گانا
اس کی امید یہ بھی ہو پوری — نہ رہے یہ بھی آرزو باقی
بس وہ کوّا پُکارا کاں کاں کاں — لومڑی سُن کے بولی ہاں ہاں ہاں
کھلتے ہی چونچ گر پڑی روٹی — لومڑی اس کو لے کے یہ بولی
"میں تو سمجھی تھی تجھ کو دانا ہے — احمقوں کا بھی تو تو نانا ہے
سُن بے او بے وقوف کے بچے — بھول جاتے ہیں جو خوشامد سے

ان کا ہوتا ہے بس یہی انجام
لے مجھے بھوک لگ رہی ہے سلام!"

احمق کا گھوڑا

یہ پڑھا ہے کہیں کہ چور آ کر — ایک احمق کا لے گئے گھوڑا
چاہیئے تھا کہ ہوتا وہ غمگیں — مگر اُس نے خدا کا شکر کیا
دوستوں نے جو دیکھی یہ حالت — اس سے اِس شکر کا سبب پوچھا
دیا احمق نے یہ جواب اُنھیں — "کہیے کیوں میں کروں نہ شکر ادا
میں بھلے کو نہ تھا سوار اس پر — ورنہ مجھ کو بھی چور لے جاتا"
سُن کے اُس کا جواب یاروں نے — قہقہا ایک زور سے مارا

اور کہنے لگے وہ آپس میں
"کچھ ٹھکانا ہے اِس حماقت کا"

دو شخص ہیں دین کے اور مُلک کے دشمن — اِک اُن میں سے زاہد وہ جو رکھتا ہی نہیں علم
اور دوسرا جو مُلک کو پہنچاتا ہے نقصان — اِک ایسا وہ حاکم ہے نہیں جس میں ذرا حلم

(سعدی)

مور اور کُلنگ

کہا کُلنگ سے اِک مور نے یہ اِترا کر
کہ "دیکھتا بھی ہے کیا خوش نُما ہیں میرے پر

جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے اِن کا کیا کہنا
یہ ایسے اچھّے ہیں جیسے کسی کا ہو گہنا

یہ خانقاہوں میں رہتے ہیں اور مندر میں
تِرے پروں کو تو رکھتا نہیں کوئی گھر میں

وہ پر مرا ہے کہ بچّہ جو کوئی پاتا ہے
خوشی سے جامے میں پھُولا نہیں سماتا ہے

وہ پر مرا ہے کہ قرآن میں جو رہتا ہے
بتا میں پُوچھتا ہوں تجھ سے کیا تو کہتا ہے"

کہا کُلنگ نے یہ سُن کے "سب بجا سرکار
کہا جو آپ نے وہ میں نے سُن لیا سرکار

مگر حضور کے پر ہیں فقط نمائش کے
جو کام میں بھی کسی کے کبھی نہیں آتے

گنے گا کون بھلا آپ کو پرندوں میں
ہے میری رائے کہ ہیں آپ تو چرندوں میں

مرے پروں میں یہ مانا نہیں جڑے ہیرے
مگر یہ سادے ہی اچھّے ہیں میرے مطلب کے

بُرے ہیں یا کہ بھلے میرے سب ہیں کام کے پر
مجھے تو ایسے ہی پر چاہیئے نہ نام کے پر

پروں کی اپنے میں تعریف تو نہیں کرتا
مگر جو سچ ہے وہ کہنے سے بھی نہیں ڈرتا

پروں کا زور جو ہو حکم تو دکھاؤں ابھی
کہیں حضور! خبر آسماں کی لاؤں ابھی

بُرا لگے کہ بھلا میں کہوں گا آپ سے صاف
ذرا بتایئے تو مجھ کو یہ (قصور معاف)

ابھی جو کوئی شکاری یہاں پر آ جائے
تو کام آئیں گے کیا کہیے پر یہ حضرت کے"

سُنا جو نام شکاری کا مور گھبرایا
کہا نہ کچھ بھی بہت اپنے دل میں شرمایا

جہاں میں ہم نے بھی اکثر یہ آزمائش کی
نہیں وہ کام کی، جو چیز ہے نمائش کی

بہروپیا گدھا

اک روز پا گیا جو کہیں کھال شیر کی
اس طرح اپنے دل میں گدھے نے کیا بچار

جو بے طلب ملے اُسے سمجھو خدا کی دین
دیتا ہے یوں ہی بندوں کو اپنے وہ کردگار

شاید کہ حال پر مرے آیا ہے اُس کو رحم
رکھنا وہ چاہتا نہیں دنیا میں مجھ کو خوار

بھیجا ہے اس نے مجھ کو جو یہ شیر کا لباس
مرضی یہ اس کی ہے کہ بڑھے کچھ مرا وقار

اب دور ہی سے بھاگیں گے سب مجھ کو دیکھ کر
اب مجھ سے سب ڈریں گے وہ پیدل ہوں یا سوار

اب بے خطر پھروں گا جہاں چاہے جی مرا
ہو باغ، یا ہو کھیت، ہو جنگل کہ مرغزار

مجھ کو کوئی کہے گا نہ دہقان کا گدھا
اب عاقلوں کے زُمرے میں ہوگا مرا شمار

اب ہر جگہ چلے گا مرا حکم بے گماں
اب دیکھنا بنوں گا میں جنگل کا تاج دار

بنتے ہی بادشاہ یہی دوں گا حکم میں
دنیا میں رہنے پائے نہ اک نام کو کمھار

پھر اُس کے بعد حکم یہ صادر کروں گا میں
سب دھوبیوں کو مار دو وہ سَو ہوں کہ سو ہزار

یہ کہ کے کھال شیر کی اس نے لپیٹ لی
اور کچھ کا کچھ ذرا کی ذرا میں بنا حمار

سچ پوچھیں آپ اگر تو گدھے کی وہ گت ہوئی
جیسے کوئی پلاؤ میں دے تیل کا دھنگار

بن کر چلا وہ شیر، گدھا کھیت کی طرف
کھانے لگا اُسے جو اُگی تھی وہاں جوار

جس وقت یہ کسانوں نے دیکھا معاملہ
سچ مچ کا شیر اُس کو سمجھ کر کیا فرار

اک دوسرے سے کہتا تھا حیران ہو کے یوں
یارو کہاں سے آ گیا یہ چھوڑ کر کچھار

چھپنے لگے وہ جان بچا کر اِدھر اُدھر
ہمت نہ تھی کسی میں کہ ہو شیر سے دوچار

جراءت تھی جن میں کچھ وہ رہے آس پاس چھپ
جو بزدلے تھے ان میں نہ وہ کر سکے قرار

بے خوف ہو کے خوب گدھے نے چرا وہ کھیت
جس دم ہوا وہ سیر تو لی زور سے ڈکار

اب تم سُنو چمار کی شامت جو آگئی — وہ پھر تو ڈھینچوں ڈھینچوں کی کرنے لگا پکار
یہ سُن کے اُس پاس چھپے جو کسان تھے — اصلیت اس کی ہوگئی ان سب پر آشکار
کہتے ہوئے وہ دوڑے ارے یہ تو ہے گدھا — دھوکا دیا تھا اس نے سمجھ کر ہمیں گنوار
جھاڑیں گدھے نے دیکھ کے اُن کو دولتیاں — بولے کسان اس سے کہ شیخی نہ بس بگھار
پڑنے لگیں گدھے پر اب اس طرح لاٹھیاں — جس طرح مینہ برستا ہے ساون میں دُھوں دُھکار
بولا کوئی میں اس کا کچومر نکالوں گا — بولا کوئی کہ اس کا بناؤں گا میں اچار
چیخیں گدھے کی سُن کے جو بھاگے تھے وہ بھی آئے — بس اب یہ تم سمجھ لو کہ سب آگئی کمہار
پٹتا گدھے کو دیکھ کے یہ بولے وہ کسان — "سب ہوگیا وصول کہ باقی ہے کچھ اُدھار"
نزدیک آ کے لات کسی نے رسید کی — مارا کسی نے دُور ہی سے کھینچ کر چمار
پکڑے کسی نے کان، تو کھینچی کسی نے دُم — ڈنڈا لگا کے کوئی پکارا کہ "دم مار"
جب پٹتے پٹتے خوب پلیتھن نکل گیا — زخموں سے سارا جسم گدھے کا ہوا فگار
"بس چھوڑ دو یہ اپنی سزا کو پہنچ گیا" — اِک رحم دل یہ بولا اسے دیکھ کر نزار
پائی سزا گدھے نے یہ، اپنی چھپا کے ذات — بھولو نہ اِس فسانے کو تم ہو جو ہوشیار
اصلیت اپنی جس نے چھپائی بُرا کیا — عاقل جو ہو تو، بات نہ بھولو یہ زینہار
بنتا بزرگ یوں ہے بناوٹ سے جو کوئی — رہتا نہیں زمانے میں پھر اس کا اعتبار

اِک دن ضرور ہو گا گدھے کی طرح ذلیل
اِک روز اُتر ہی جائے گا نشہ ہو یا خمار

سچ کہنے میں مر جانے کی پروا نہیں کرتا + اللہ سے جو ڈرتا ہے وہ کیا نہیں کرتا
فطرت میں ہے جو بات بدلتی ہی نہیں ہے + پتھر سے کبھی آگ نکلتی ہی نہیں ہے

شِکرا اور مُرغ

ایک شِکرے نے ایک مُرغے سے ایک دن یہ ہنسی ہنسی میں کہا
"میں نے بھی جان وَر بہت دیکھے کوئی ہوگا نہ تجھ سا ناشُکرا
تو ہی انصاف اپنے دل میں کر تجھ پہ مالک ہے مہرباں کتنا
دانہ پانی وہ تجھ کو دیتا ہے اور رہنے کے واسطے ٹاپا
تجھ سے میں پوچھتا ہوں اے مُرغے یہی احسان کا ہے بدلا کیا
اب ذرا دیکھ میری حالت کو کیسا سُنتا ہوں حکم آقا کا
لاتا ہوں اس کے واسطے میں شکار میں ہمیشہ ہوں اس کو خوش رکھتا
ایک تو ہے کہ جب بُلاتے ہیں کوٹھوں کوٹھوں ہے بھاگتا پھرتا"
سُن لیں شکرے کی جب یہ سب باتیں اس طرح اس سے مرغ کہنے لگا
"ہوتے ہیں جس کے منہ میں چاول وہ باتیں یوں ہی چبا کے ہے کرتا
اب میں اک پوچھتا ہوں تجھ سے سوال سوچ کر تو جواب دینا ذرا
ہاں تو یہ کہہ کہ تو نے شکرے کو بُھنتے بھی سیخ پر کبھی دیکھا"
چاہا شکرے نے کچھ کہے سٹ پٹ سیخ کے نام سے وہ کانپ گیا
کہا مرغے نے اس سے "بس، بس بس سچ کا تجھ سے جواب کیا ہوگا

تیرے لگتے جو میری طرح کباب
نہ ترا نام بھی کوئی سُنتا"

نصیحت نہ یہ بھول جانا کبھی نہ ہو نرم اتنا کہ سب ہوں دلیر
مگر ساتھ ہی اس کے رکھ یہ بھی یاد نہ ہو گرم اتنا کہ ہو جائیں سیر (سعدی)

مجبور اُونٹنی

دوپہر کے وقت ریگستان میں — جا رہی تھی ایک اُونٹوں کی قطار
جاتے تھے سب ٹھوکریں کھاتے ہوئے — اس قدر لادا گیا تھا اُن پہ بار
پیٹھ زخمی ہو رہی تھی بوجھ سے — پاؤں تھے زخموں سے کانٹوں کے فِگار
اُونٹنی بھی ایک اُن کے ساتھ تھی — اور بچّہ بھی، جسے کرتی تھی پیار
بس کہ بچّے سے چلا جاتا نہ تھا — ماں سے کہتا تھا وہ اپنی بار بار
"پیاری امّاں آؤ ستالیں ذرا — میں تو چلنے سے گیا بالکل ہی ہار
پنڈلیاں بھی سوج آئی ہیں مری — پاؤں میں چھالے پڑے ہیں بے شمار
سُست پڑتا ہے تمھارا بھی قدم — ہو رہی حالت تمھاری بھی ہے زار"
بھولی باتیں جب یہ بچّے کی سُنیں — اونٹنی پہلے تو روئی زار زار
بھر کے ٹھنڈی سانس پھر کہنے لگی — "لاڈلے میرے یہ ماں تیرے نثار
سچ تو یہ ہے میں بہت مجبور ہوں — اس سے واقف ہے مرا پروردگار
پہلے تو یہ بات ہے سب سے بڑی — ساربانوں پر نہیں کچھ اختیار
دم نہیں لے سکتی چاہے جان جائے — میں ٹھہر سکتی نہیں چاہوں ہزار

بیٹھ جاتی تجھ کو لے کر میں کہیں
ہاتھ میں میرے اگر ہوتی مہار"

عالم اک ایسا جو، نہ ہے زاہد نہ پارسا — وہ دوسروں کی گوں کا۔ نہ ہے اپنے کام کا
یہ کہئے اس کی ہوگی کسی سے بھی رہبری — اندھے کے ہاتھ میں کوئی رکھ دے اگر دِیا
زر خرچ کر نہ جس سے کوئی شے خرید کی — ایسے کے حال پر نہ کسے آئے گی دیا

(سعدی)

ایک مکڑی اور مکھی

ایک مکڑی یہ بولی مکھی سے — "آؤ. بی آؤ میری ہمسائی
چھوٹا کمرہ تو دیکھو میرا بہن — کیا کہوں خوب صورتی اس کی
دیکھ لو پہلے پھر یہ مجھ سے کہو — تم نے دیکھی ہے کوٹھری ایسی
وہ جو اوپر لگا ہے زینہ گول — میرے کمرے کا راستا ہے وہی
اچھی اچھی عجیب چیزوں سے — میری ساری وہ کوٹھری ہے سجی
آؤ گی تم جو میرے کمرے میں — اے بہن سب تمھیں دکھاؤں گی"
بولی مکھی "معاف ہی رکھو — نہیں گھستے سے فائدہ کوئی
کیوں کہ جاتا ہے جو تمھارے گھر — اس کی پھر کچھ خبر نہیں آتی
سُن کے مکڑی یہ بولی میری بہن — دیر سے اُڑ رہی ہو تم اونچی
آؤ سو جاؤ میرے بستر پر — نظر آتی ہو تم بہت ہی تھکی
پردے چاروں طرف پڑے ہیں نفیس — اور بچھی ہیں چادریں اُجلی
آؤ آرام سے سُلادوں تمھیں — تم جو سونا ہو چاہتی بی بی"
کہا مکھی نے "اِس عنایت کا — شکریہ گو میں ہوں ادا کرتی
نہیں آسکتی میں بہن لیکن — کیوں کہ یہ بات بارہا ہے سُنی
جو بھی بستر پر آپ کے سویا — ایسا سویا رہا وہ سوتا ہی"
بولی مکھی سے پھر تو وہ مکّار — "تم سے اب کیا کہوں میں اے پیاری
جتنی تم سے مجھے محبّت ہے — نہیں میں تو بیان کر سکتی
جو ہیں کھانے لذیذ دُنیا میں — اُن سے میری بھری ہے الماری

نوش تم بھی کرو کچھ اُن میں سے — ہے یہی چین میرے دل کی خوشی

پھر انکار

ننھّی مکھّی "نہیں نہیں" کہہ کر — بولی "مجھ سے نہ ہوگا یہ تو کبھی

نعمتیں جو تمھارے گھر میں ہیں — ہے سُنی اُن کی سب حقیقت بھی"

خوشامد کا جال

دیکھا مکڑی نے جال میں میرے — نہیں مکھّی کسی طرح پھنستی

اب خوشامد سے کام نکلے گا — دل میں یہ بات سوچ کر بولی

"جتنی تم زیرک اور دانا ہو — نہیں دیکھی کہیں یہ ہشیاری

کیسے اچھے ہیں پَر یہ ریشم سے — کیا چمکتی ہیں آنکھیں تارا سی

میرے کمرے کی میز کے اوپر — ہے اِک اچھی سی آرسی رکھّی

لمحہ بھر کے لئے ذرا آکر — دیکھ لو خوب صورتی اپنی"

کارگر خوشامد

جب خوشامد کی یہ سُنیں باتیں — خوش یہ مکھّی ہوئی کہ پھول گئی

بولی وہ شکریہ ادا کرکے — "آپ کی بات اے بہن سمجھی

پھر کسی روز آؤں گی میں ضرور — اب تو رخصت ہوں آپ سے ہوتی"

انتظار

کہہ کے مکھّی یہ اُڑ گئی بھن سے — اور مکڑی بھی غار میں پہنچی

اور پہنچ کر لگی ٹہلنے وہاں — اپنے دل میں وہ یہ سمجھتی تھی

بس کہ مکھّی بڑی ہی احمق ہے — آئے گی میرے جال میں جلدی

کردیا جال اُس نے اور گھنا — خوب دکھلائی اپنی مکّاری

پھر وہیں گھر کے ایک کونے میں — کی ضیافت کی ساری تیاری

مکڑی کا گانا

کرکے یہ انتظام ہو کے مگن — آکے دروازے پر وہ گانے لگی

"پر ہیں چاندی کی طرح تیرے سفید — ہے چمک ایسی جیسے ہوں موتی

کب سے مکھی! ہے انتظار ترا — اِدھر آ بس اِدھر کو آ تو سہی
واہ کیا سبز بینجنی ہے لباس — تیری کلغی سے ہے عیاں شاہی
تیری الماس کی سی آنکھیں ہیں — میری سیسے کی طرح ہیں دُھندلی
الغرض میٹھی میٹھی باتوں میں — ہائے افسوس پھنس گئی مکھی
ہوگئی کامیاب مکڑی - اور — آ گئی کام اس کی مکاری
ابھی گزری نہ تھی بہت مدت — آئی مکھی جو اس طرف اُڑتی
اپنے آپے سے ہو گئی باہر — وہ خوشامد پہ اس قدر پھُولی
کبھی اپنے پروں کا کرتی خیال — کبھی اپنی سراہتی کلغی
اب کہاں تک ہو طول قصے کو — آ کے مکڑی کے جال میں وہ پھنسی
دیکھا مکڑی نے جب پھنسا اس کو — شیر کی طرح اس پہ وہ جھپٹی
اور وہاں سے دبوچ کر اس کو — غار میں لے کے اپنے وہ آئی
بیٹھ کر چین سے وہاں اس نے — خوب مکھی مزے مزے چکھی
مکھی آرام تو گئی کرنے — ایسی سوئی کہ پھر نہ وہ جاگی
جس نے اِک بار یہ پڑھا قصہ — پھر وہ لڑکا ہو یا ہو وہ لڑکی
میری ہر ایک سے نصیحت ہے — جس کو منظور ہو نہ اپنی بدی
نہ خوشامد پہ کان دھرنا تم — ورنہ حالت تمھاری ہوگی بری

یوں ہی دشمن سے دُکھ اُٹھاؤ گے
جیسے مکھی کو کھا گئی مکڑی

دل چسپ نظمیں ہر بچوں والے گھر میں ہونا ضروری ہے قیمت دو آنہ

تعداد اغلاط سے لب ریز ہے۔ ایسی کتابوں کی سخت ضرورت ہے جن کے مطالعے سے دماغی طاقتوں اور ذہنی قوتوں میں اضافہ ہو میرے خیال میں جناب ناظم انصاری کی یہ نظمیں ان خصوصیات کی حامل اور یقینی اِس قابل ہیں کہ محکمۂ تعلیم میں شرفِ قبول حاصل کریں۔

سراج لکھنوی

۲ دسمبر ۱۹۳۰ء

جناب حکیم الشیخ محمد ممتاز حسین صاحب عثمانی لکھنوی زادمجدہٗ مالک و مدیر اودھ پنچ

خدا اُن کا بھلا کرے جو نام پر کام کو ترجیح دیتے ہیں۔ مکرمی جناب ناظم انصاری ایسے ہی شرفا میں سے ہیں۔ وہبی اور اکتسابی دونوں طرح کی انسانیت سے متصف۔ میں نے غور و تعمق سے اُن کی ناصحانہ شاعری کا نمونہ دیکھا۔ سلیس نظموں کا سلسلہ واقعی نہایت مفید ہے۔ مجھے امید ہے کہ ماہرین فن تعلیم الاطفال اسے ہر عیب سے پاک اور ہر خوبی سے مملو پائیں گے۔

آسان زبان، شستہ بول چال، بے اضافت اور بری از تصنع شاعری حکیمانہ نصیحتیں دل میں گھر کرنے والی باتیں یہ تمام اوصاف اِس کتاب میں موجود ہیں۔ اگر محکمۂ تعلیم اسے قدر کی نگاہ نہ دیکھے اور قدر افزائی نہ کرے تو پھر ہم کہیں گے کہ یہ محکمہ سخن شناسی کے وصف سے عاری ہے اور آج کل جس طرح کے نظم و نثر مضامین ہم اُردو نصاب میں دیکھتے ہیں وہی اس کے مناسب حال ہیں فقط

محمد ممتاز حسین مالک اودھ پنچ لکھنؤ

جناب مولانا مولوی فتح محمد صاحب زادمجدہ ہیڈ ماسٹر انجمن اسلام بمبئی

مشکل کو آسان، اور آسان کو آسان تر بنانے کا جو ملکہ ناظم صاحب کو حاصل ہے ہندوستان کے ادیبوں میں اس کی بہت ہی کم مثالیں ملیں گی، باوجود صرف گجراتی، انگریزی، مرہٹی اور فارسی سے کام پڑنے کے ناظم صاحب کی اُردو نثر اور نظم پر قدرت حیرت انگیز ہے۔ ۲۷ برس سے

میاں چھیدا

نام تھا اِک چمار کا کلّو — جوتیاں گانٹھتا پڑا پھرتا
ایک بیٹا دیا خدا نے اسے — گھر میں کہتے تھے اس کو سب چھیدا
جب ذرا کچھ اُسے سمجھ آئی — باپ کے دل میں یہ خیال آیا
اس کو پیشہ سکھائیے کچھ اور — کفش دوزی میں اب دھرا ہے کیا
دل میں یہ بات سوچ کر اُس نے — اپنے لڑکے کو مدرسے بھیجا
اب تو اسکول یہ لگے جانے — اب تو پڑھنے لگے میاں چھیدا
اب تو پڑھنے لگے یہ انگریزی — اب ہوا علم اُن کو یَس نو کا
الغرض پاس امتحاں کر کے — کر لیا حاصل ایک ڈِپلوما
نوکری بھی ملی سپارش سے — اب تو بر آیا مدّعا دل کا
اب تو یہ بن گیا بڑا صاحب — اب چماروں میں بیٹھنا کیسا
اب غریبوں کی دوستی کیسی — اب عزیزوں کی اُن کو کیا پروا
دل میں چھیدا کے نام کا اپنے — ہر گھڑی خار سا کھٹکتا تھا
آپ اِک دن کا ماجرا سُنئے — کہیں جلسہ تھا لکچراروں کا
دوستوں نے جناب چھیدا کے — ان کو بھی کارڈ ایک بھجوایا
کوٹ پتلون ڈانٹ کر پہنچے — اِک بڑے ٹھاٹھ سے میاں چھیدا
اب ذرا سُنئے اتّفاقی امر — میں بھی آفت رسیدہ جا پہنچا
دیکھتا کیا ہوں جا کے جلسے میں — بک رہا ہے کھڑا کچھ اِک لونڈا
فقرے فقرے کی داد ملتی ہے — اور ہر لفظ پر ہے کیا کہنا

ختم بکواس جب ہوئی اُس کی — پاس میرے وہ آکے بیٹھ گیا
پہلے دی داد اُس کو لیکچر کی — اور پھر میں نے اس سے یہ پُوچھا
"نہ اگر ہرج ہو تو فرمائیں — بندہ پرور! ہے نام آپ کا کیا؟"
پہلے تو رہ گئے وہ سکتے میں — میں یہ سمجھا کہ سانپ سُونگھ گیا
دیر کے بعد ہوش میں آئے — اور کچھ سوچ کر یہ فرمایا

سوراخ بخش

"مجھ کو سوراخ بخش کہتے ہیں — نام تو یہ ہے عرف ہے چھیدا"
جب سُنا میں نے یہ انوکھا نام — ہنسی اپنی میں ضبط کر نہ سکا
اور لاحول پڑھ کے حضرت پر — میں تو سیدھا وہاں سے گھر آیا

چولا بدلنا

یہ کتر بیونت کرنا پڑتی ہے — جب کمینے بدلتے ہیں چولا
رنگ ریزی ہے بس کہ انگریزی — بنے صاحب نہ کیوں بھلا کالا

ذاتی شرافت

نہیں ذاتی شرافت آنے کی — بولے بُلبل کی بولیاں کوّا
راج ہنسی نہ بن سکے ہرگز — چوہڑے کا چمار کا لڑکا
شہد سے بھی کوئی اگر سینچے — بن سکے گا نہ بانس کا گنّا
نہ ہیں انجیر لگتے گولر میں — اور نہ املی میں آم ہے پھلتا

کون لیکن اب اس زمانے میں
پُوچھتا بھاؤ ہے شرافت کا

احسان نہ جتاؤ

احساں کسی پر اپنی سخاوت کا تو نہ رکھ — جو کچھ کسی کو تو نے دیا بس دِیا دِیا
جس نے کسی کو دے کے کچھ اس کا کیا بیاں — احسان اپنا خاک میں اس نے مِلا دیا

(سعدی)

کوّے کا حُسن

ایک بُلبُل نے ایک کوّے سے
ہنس کے اِک روز یہ سوال کیا

"میاں کوّے ذرا بتاؤ تو
دیکھ ڈالی ہے تم نے تو دُنیا

تم سے بڑھ کر تیز دُنیا میں
ہو گی اچھّے بُرے کی کس کو بھلا

کہو دُنیا میں جو پرندے ہیں
سب میں بچّہ حسین ہے کس کا"

جب سُنا یہ سوال کوّے نے
پہلے تو زور زور سے وہ ہنسا

پھر یہ بولا کہ "واہ بی بُلبُل
خوب آتا ہے تم کو چند رانا

لے تمھیں اب بتاؤ یہ مجھ کو
میرے بچّے کو کیا نہیں دیکھا

میری آنکھوں سے دیکھو اس کا حُسن
پھر یہ انصاف سے کہو بہنا

لے کے مشرق سے اور مغرب تک
کبھی دیکھا ہے حُسن بھی ایسا

سَو میں کہہ دوں ہزار میں کہہ دوں
میں تو سچ سے کبھی نہیں ڈرتا

خوب صورت تو اور بھی ہیں مگر
میرا بچّہ ہے حُسن کا پُتلا

میں نے جو بات تھی وہ سچ کہہ دی
اب کسی کو لگے بُرا کہ بھلا

خیر اب مجھ کو دیر ہوتی ہے"
کہہ کے یہ بات اُڑ گیا کوّا

ہے یہ دُنیا کا قاعدہ بچّو
فرق اس میں کبھی نہیں آتا

یعنی سمجھا ہے یہ ہر اِک احمق
مجھ سے بڑھ کر نہیں کوئی دانا

اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے،
میرا بچّہ حسیں ہے سب سے سِوا

اب ذرا آپ ہی کہیں ہم سے
اس حماقت کا ہے علاج ہی کیا

بجز اس کے کہ ہم دعا یہ کریں
کرے ایسوں کی بس خدا ہی دوا

تتلے اور ہاتھی کی جنگ

کہتے ہیں اِک درخت کے اوپر ایک تتلی نے تھا بنایا گھر
وہ تو بچّوں کو لے کے رہتی وہاں جاتا تھا کام کاج کرنے میاں
کام کاج اس کو اور کیا تھا بھلا کھانا بچّوں کے واسطے لانا
اُٹھ کے تڑکے ہی وہ نکل جاتا اور جو کچھ کہیں سے وہ پاتا
بیوی بچّوں کو لاکے وہ دیتا ان سے بچتا تو آپ کھالیتا
آپ اِک دن کا ماجرا سُنئے تتلا باہر کہیں گیا گھر سے
تتلی بچّوں کے ساتھ گھر میں تھی کررہی تھی وہ خاطریں اُن کی
کبھی وہ ناچتی، کبھی گاتی اس طرح اُن کے دل کو بہلاتی
اُن کا جھولا کبھی جُھلاتی تھی اور کبھی لوریاں سُناتی تھی
کبھی اُن کی بلائیں لیتی تھی کبھی اُن کو دعائیں دیتی تھی
جاتی صدقے کبھی، کبھی قربان کبھی کہتی کہ "تم چڑھو پروان"
بھُوک بچّوں کو جب سَتاتی تھی ان کو اس طرح وہ مَناتی تھی
"ابھی پاؤ گے کھانا اے بچّو اپنے ابّا کو گھر تو آنے دو
کھانا لینے کو جاتے ہیں وہ دُور تھک کے ہو جاتے ہیں بچارے چور"
یوں ہی بچّوں کو تھی وہ سمجھاتی ایک ہتھنی وہاں پر آ نکلی
آکے بیٹھی درخت کے نیچے اور لگی پیٹھ اس سے وہ گھِسنے
لگے پتّے درخت کے ہلنے ڈر کے نیچے لپٹ گئے ماں سے
گھونسلا جب کہ تھرتھرانے لگا ڈر سے بچّوں کو غش سا آنے لگا

ہتھنی اور تیتلی

حال تیتلی نے جب کہ یہ دیکھا — لگی ہتھنی سے کہنے وہ کہ "بُوا
لے ذرا تم یہاں سے اُٹھ جاؤ — پیٹھ پتّھر سے جا کے کھُجلاؤ
پیٹھ کو پیڑ میں رگڑنے سے — ہلنے لگتے ہیں اِس کے سب پتّے
پتّے ہلنے سے بچّے ڈرتے ہیں — روتے ہیں اور شور کرتے ہیں
اِن کے رونے سے میں ہوں گھبراتی — کیوں نہ گھبراؤں ماں ہوں میں اِن کی

تیتلی کا ڈر

آتا ہوگا ابھی مِرا تِتلا — کہیں اس نے جو حال یہ دیکھا
اس کے غصّے سے بس بچائے خدا — اے بُوا، ہے مجھے تو ڈر لگتا
جانتا ہی نہیں ہے وہ ڈرنا — اس کو ہے کھیل مارنا مرنا
تم بھی آخر یہیں تو ہو رہتی — میں تمھارے بھلے کو ہوں کہتی
ہم میں آپس میں کیوں بُرائی ہو — مردوں مردوں میں کیوں لڑائی ہو
بات تیتلی کی سُن کے وہ، ہتھنی — زور سے کھِل کھِلا کے ہنسنے لگی

تیتلے کی آمد

ختم ہنسنا ہوا نہ تھا اُس کا — تِتلا اُڑتا ہوا جو آ پہنچا
اپنی بیوی سے آتے ہی پُوچھا — "سچ بتاؤ یہ ماجرا ہے کیا
ہنس رہی کس لئے ہے یہ ہتھنی — تم ہو غصّے میں کیوں بھری بیٹھی"
بولی تیتلی "میاں بتاؤں کیا — اس سے میں کب سے کہہ رہی ہوں بُوا
تم یہاں بیٹھ کیوں کھُجاتی ہو — میرے بچّوں کو کیوں ڈراتی ہو
سُنتی ہی یہ نہیں مگر میری — اور باتوں پہ میری ہے ہنستی"
سُن کے تیتلی کی بات وہ تِتلا — ضبط غصّے کو کر کے کہنے لگا
"آئے ہاتھی تو اس سے ہو کچھ بات — کیا کہوں اس سے یہ ہے عورت ذات"

باتیں کر ہی رہا تھا یہ تِتلا ہاتھی اتنے میں اس جگہ آیا (ہاتھی آ گیا)
دیکھ کر تِتلا اُس کو چِلّایا "اپنی جورو کو دے ذرا سمجھا
کیوں یہاں بیٹھ یہ گھُجاتی ہے میرے بچّوں کو کیوں ڈراتی ہے (ہاتھی کو غصہ)
کیا بِگاڑا ہے اس کا بچّوں نے کچھ شکایت جو ہو تو مجھ سے کہے
میری تِتلی کبھی لڑی ہوتی تو شکایت کی کوئی بات بھی تھی
میں نے چھیڑا کبھی جو ہو اس کو دونوں مِل کر جواب مجھ سے لو
بال بچّوں سے ہے فراغ کسے یہاں لڑنے کا ہے دماغ کسے
تم ہی انصاف سے کہو بھائی نام لڑنے میں ہے کہ بدنامی
ہم میں تم میں جو ہو گیا جھگڑا تو کہے گا بھلا زمانہ کیا
ہم جو آپس میں کچھ لڑے جھگڑے لوگ دونوں کو نام رکھیں گے
خیر اب کہہ دو اپنی بیوی سے نہ کبھی اُس طرف کو وہ آئے
ورنہ تم جانو اور تمھارا کام مجھے کرنا نہ مفت میں بدنام" (ہاتھی کا بپھرنا)
باتیں جس دم سُنیں یہ تِتلے کی ضبط ہاتھی سے ہو سکی نہ ہنسی
پہلے تو ایک قہقہہ مارا اور پھر وہ بپھر کے کہنے لگا
"تیری شامت تو کچھ نہیں آئی کہاں تِتلا بھلا کہاں ہاتھی
ٹھیک کرتا ہوں تجھ کو رہ تو جا ایسی گستاخیاں بڑوں سے بھلا
تو بھلا کیا تری بساط ہے کیا میں وہ ہوں شیر مجھ سے ہے ڈرتا
ٹھیک تیرے حواس کرتا ہوں رہ تو جا تیرا ناس کرتا ہوں
ہوکے کم زور تم لگے تننے کھانے ہاتھی سے لو چلے گنّے"

جنگ

ڈینگیں تتلے نے سُن کے ہاتھی کی
کہا "اب موت ہے تری آئی

لے خبردار ہو کہ میں آیا
پھر نہ کہنا کہ بے خبر رکھا"

کہہ کے یہ ' اور جوڑ دونوں پر
گھُس گیا اُس کی سُونڈ کے اندر

ناک ہاتھی کی کاٹنے وہ لگا
اس کے بھیجے کو چاٹنے وہ لگا

ہاتھی کی ہار

مغز میں گھُس کے پھڑپھڑانے لگا
اب تو ہاتھی پچھاڑیں کھانے لگا

ماری تتلے نے اب جو ایک اُکھاڑ
اس طرح وہ گرا کہ جیسے پہاڑ

بولا گیدوں بے کچھ اور لے گا کہ بس
اور باقی ہے دل میں تیرے ہوس

مستی اب بھی ہے کچھ کہ ہوش آئے
لات دوں اِک کہ مغز پھٹ جائے

دوں وہ گھونسا نکل پڑے بھیجا
اور ہتھنی سے پھر کہوں لے جا

کیوں بے چُپ کیوں ہے بولتا نہیں کیوں
اب زباں اپنی کھولتا نہیں کیوں

اب ہشیار ہے کہ اُونگھ گیا
جان ہے کچھ کہ سانپ سُونگھ گیا

ہاتھی اور ہتھنی کی شرم

کہا ہاتھی نے "میں مرا بھائی
بخش دے تو مری خطا بھائی

پیڑ کے پاس اب نہ آؤں گا
اور نہ بیوی کو اپنی لاؤں گا"

جب کہ حالت میاں کی یہ دیکھی
جوڑتی ہاتھ پہنچی ہتھنی بھی

گڑگڑا گڑگڑا کے کہنے لگی
"لے اسے اب معاف کر بھائی

اس سے بڑھ کر گناہ گار ہوں میں
واقعی تجھ سے شرم سار ہوں میں

اب جو مجھ سے کبھی ہو ایسی خطا
جو سزا چور کی وہ میری سزا

دیکھی تتلی نے بھی جو یہ حالت
خوب ہاتھی کی بن چکی درگت

بولی "لے جانے دو اب آؤ بھی
یہ سزا کو پہنچ گیا اپنی

کچھ کروگے خیال ننھی کا — یا موئی کو بناؤگے ہوا
تھوک دو غصّہ سونڈ سے نکلو — بس مِری جان کی قسم تم کو"
سُن کے سب کی خوشامدیں تِتلا — میاں ہاتھی کی سونڈ سے نکلا
اور ہاتھی سے یہ کہا اس نے — "لے ذرا کان کھول کر سُنئے
اب جو آئے کبھی درخت کے پاس — ٹھیک کردوں گا آپکے میں حواس
دونوں تم چاہو گر بھلا اپنا — نہ ادھر بھول کر کبھی آنا
بات تم نے نہ گر میری مانی — پھر تو مجھ سے بُرا نہیں کوئی"
اب تو ہاتھی جُھکا کے اپنا سر — گیا ایسا کہ پھر نہ آیا ادھر
سُنا بچّو یہ تم نے۔ ہاتھی نے — کیسی پائی شکست تِتلے سے
زور سارا دھرا رہا اس کا — اور تِتلے کا کچھ وہ کر نہ سکا

چاہے کیسا ہی چھوٹا ہو۔ بچّو
نہ کبھی تم اسے حقیر گِنو

سُودمند پند

یاد رکھنا اگر ہے تو دانا — کہ نہ دشمن کے دام میں آنا
تو اگر کچھ بھی عقل ہے رکھتا — کھا نہ جانا فریب دشمن کا
اور بھی ایک بات تو رکھ یاد — نہ خوشامد سے اپنی ہونا شاد
کام ہی یہ خوشامدی کا ہے — دام لالچ کا وہ بچھاتا ہے

اُس کو رہنے دے کام میں اپنے
تو نہ پھنس جانا دام میں اس کے

(سعدی)

علم کا باغ

آئی بہار سبز ہیں گلشن کی کیاریاں ‏ اِلماس پر ہوں جیسے زمرد کی دھاریاں
اس طرح سبزہ ہِلتا ہے جیسے کٹاریاں ‏ پھولوں سے باغباں نے بھری ہیں اٹاریاں
سارے چمن میں راج ہے اُردی بہشت کا
گلشن بنا ہوا ہے نمونہ بہشت کا

دل! جشن پھر مَنا کہ دن آئے بہار کے ‏ بُلبل! ترانہ گا کہ دن آئے بہار کے
مُطرِب! غزل سنا کہ دن آئے بہار کے ‏ غم سارے بھُول جا کہ دن آئے بہار کے
مسرور کیوں نہ ہوں کہ زمانہ خوشی کا ہے
ہر برگ کی زباں پہ ترانہ خوشی کا ہے

جس کو بہار کہتے ہیں نعمت خدا کی ہے ‏ کیوں فیض سب نہ پائیں یہ دولت خدا کی ہے
لُوٹیں نہ کیوں اسے کہ غنیمت خدا کی ہے ‏ کیا اپنے پیارے بندوں پہ رحمت خدا کی ہے
بخشش ہر اک پہ عام ہے پروردگار کی
کہتا ہے ذرّہ ذرّہ کہانی بہار کی

ایسا کچھ اب کے رنگ چڑھا ہے بہار پر ‏ گلشن کے پھُول بکھرے ہیں ہر رہ گزار پر
دھوکا گلوں کا ہوتا ہے بُلبُل کو خار پر ‏ آ کر خوشی میں تول رہی ہے ہزار پر
معمور گل سے ایسے شجر ہیں کھڑے ہوئے
پھُولوں کے جیسے باغ میں جھنڈے گڑے ہوئے

قدرت سے ہے بہار نے سیکھا یہی سبق ‏ مُمکن ہو جس قدر بھی ادا کر نمو کا حق
گلشن تمام بن گیا پھُولوں کا اِک ورق ‏ جیسے کہ ہو زمین پہ پھُولی ہوئی شفق

ذرّہ نہیں ہے کوئی بھی بے کار باغ کا
جادہ بھی اِک فتیلہ ہے لالے کے داغ کا (غالب)

یہ تو بتاؤ، دیکھا ہے ایسا بھی کوئی باغ — بُلبل جہاں کبھی نہ اُٹھائے خزاں کے داغ
روشن جہاں گلوں کے ہوں ہر فصل میں چراغ — جو دل فسردہ آئے وہ ہو جائے تر دماغ
ایسا کوئی چمن ہے تو ہے باغ علم کا
ذرّہ ہر اک جہاں کا نمونہ ہے حِلم کا

کیوں پھر نہ اس چمن کی بہاریں ہوں پائے دار — بہمن کا دے کا سال میں جس کے نہیں شمار
وہ گل یہاں نہیں ہیں نہ ہو جن کا اعتبار — وہ بے وفا نہیں ہیں یہاں ہیں جو گل عذار
واقف نہیں یہاں کوئی، کیا خُرد بُرد ہے
بُلبُل کو باغبان کی خدمت سپرد ہے

بُری خصلت

گر لگی ہو کسی مقام پہ آگ — تو بجھاتے ہیں اُس کو پانی سے
اور اگر دھوپ ہو نہایت تیز — جاتے ہم سائے میں ہیں چھتری کے
اور پڑ جائے جو کوئی بیمار — تو ہمیں چاہیے دوا دیں اُسے
مست ہاتھی کے واسطے انکس — گھوڑا بگڑے اگر، تو چابک لے
اور جس پر اثر ہو جادو کا — وہ ہمیشہ خدا کا نام جپے
جس کی خصلت میں کچھ بُرائی ہے
اس سے کہہ دو یہی کہ بس وہ مرے

دلچسپ نظمیں ننھے بچوں والے گھر میں رہنا ضروری ہے قیمت ۲ر

میں اُن سے واقف ہوں، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ناظم صاحب نے کوئی مضمون خواہ نثر ہو یا نظم فکر اور مطالعہ کے بعد لکھا ہو۔ وہ ہر مضمون تمدّنی، سیاسی، ادبی، تاریخی قلم برداشتہ لکھتے ہیں جس کی ایک معمولی مثال یہ نظمیں ہیں، جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں

ناظم صاحب کو میں نے ایک نشست میں پچاس پچاس صفحے قلم برداشتہ لکھتے دیکھا ہے اور پھر خوبی تو یہ ہے کہ اس میں آپ کو ایک سطر کیسی، چند الفاظ بھی کٹے چھنٹے نہ ملیں گے وہ اپنے مضمون پر کبھی نظر ثانی نہیں کرتے۔ بے شک ع

این سعادت بزور بازو نیست

سلیس نظموں کے بارے میں مُلک کے لائق ترین افراد کی رائے یہ تھی کہ وہ نعمت ہیں۔ لہٰذا "دلبستان" کو میں ہر اُردو دان کے لئے خواہ بچہ ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت ایک "غیر مترقبہ رحمت" نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ ہندوستان کا کوئی اُردو دان خاندان، اور خاندان کا کوئی فرد ایسا نہ ہونا چاہئے جس کے مطالعہ میں یہ کتاب نہ ہو ساتھ ہی مجھے اُمید ہے کہ سررشتۂ تعلیمات بھی ایسی کتابوں کی قدر دانی اور قدر افزائی کرے گا تاکہ ایسے مصنفین کا حوصلہ بڑھے اور ان میں اسی قسم کی تصنیف اور تالیف کا شوق پیدا ہو۔

فتح محمّد عفی عنہ

۱۶ ر دسمبر ۱۹۳۱ء

عُلیا خدیجہ شفیع طیّب جی صاحبہ

رُکن سکولز کمیٹی (بمبئی میونسپل کارپوریشن) و کمیٹی سررشتۂ تعلیم بمبئی

منشی محمّد یوسف صاحب ناظم کی نظموں کا مجموعہ "دلبستان" فی الحقیقت بچّوں کے لئے "اَدَبستان" ہے۔ اِس میں ہر قسم کے ضروری آداب بچّوں کو سکھلائے گئے ہیں

قلم کی تعریف

واقف ہے جہاں اس سے جو طاقت ہے قلم کی ۔۔۔ آگاہ ہیں سب اس سے جو عزّت ہے قلم کی
ہیں زیر دلیر اس سے وہ جراءت ہے قلم کی ۔۔۔ دنیا میں غرض آج حکومت ہے قلم کی
مشہور زمانے میں فسانہ ہے اسی کا
سب نغموں سے دل چسپ ترانہ ہے اِسی کا

دُنیا میں ہزاروں ہی جری ایسے ہیں گزرے ۔۔۔ جو کھیلتے تھے جنگ کے میدان میں سر سے
ہمّت میں شجاعت میں جو رستم سے نہ کم تھے ۔۔۔ ہے دھاک ابھی تک کئے سر معرکے ایسے
سکّے جمے اُن کے لڑے اِس طرح وہ جم کے
جراءت نہ مگر یہ تھی مقابل ہوں قلم کے

شمشیر سے زنہار نہیں زور کم اس کا ۔۔۔ دنیا کی قلم رو میں ہے پرچم عَلَم اس کا
خوش بخت وہ ہے جس کو ہے حاصل کرم اس کا ۔۔۔ برداشت کے قابل نہیں ہر گز ستم اس کا
شاہوں کو ملے تاج نوازش سے اسی کی
راجوں کے گئے راج ہیں سازش سے اسی کی

ادنےٰ کو اگر چاہے تو اعلےٰ یہ بنا دے ۔۔۔ قطرے کو اگر چاہے تو دریا یہ بنا دے
قدرت ہے کہ ہر زشت کو زیبا یہ بنا دے ۔۔۔ دُنیا کو سنوارے یہی عقبیٰ یہ بنا دے
آفاق میں ہر سَمت دہائی ہے قلم کی
سچ پوچھو تو عالم میں خدائی ہے قلم کی

چاہے تو بیاباں کو گلستاں یہ بنا دے ۔۔۔ گل زار کو چاہے تو بیاباں یہ بنا دے
حیواں کو بھی چاہے تو انساں یہ بنا دے ۔۔۔ انساں کو اگر چاہے تو حیواں یہ بنا دے

اچھے کو جو چاہے تو بُرا کر کے دکھا دے
بندے کو اگر چاہے خدا کر کے دکھا دے
اچھائی پر آمادہ۔ بُرائی کو یہ تیار — بنتا ہے کبھی ڈھال کبھی بنتا ہے تلوار
آرام کبھی دیتا ہے ہم کو کبھی آزار — یہ کام بھی دیتا ہے بنا تا بھی ہے بے کار
یہ وہ ہے کہ بگڑی ہوئی تقدیر کو پلٹے
یہ وہ ہے کہ بنتی ہوئی تدبیر کو پلٹے

خدا کہاں ہے کہاں نہیں ہے

کہنے لگا یہ ایک برہمن سے ایک شیخ — "مندر میں یہ بتا دے کہ رکھا ہوا ہے کیا
پتھر کی چند مورتیں ہیں اور کچھ نہیں — تو جن کو بھولے پن سے ہے سمجھے ہوئے خدا
گھنٹی کبھی بجاتا ہے تو اُن کے سامنے — اُن کو کبھی سُناتا ہے ناقوس کی صدا"
یہ سُن کے برہمن نے بگڑ کر دیا جواب — "یہ تو ذرا بتا دے، ہے مسجد میں کیا دھرا
کیا بن کے ہے خدا تری سُنتا نہیں مگر — تو جو اذاں کے نام سے ناحق ہے چیختا"
دونوں اسی طرح تھے نبرد آزمائی میں — یہ ناگہاں سروش کی آئی اُنھیں ندا
"جس جا خدا کا نور ہے بہتر ہے وہ مقام — ہرگز نہ کہہ، کہ کعبہ ہے بُت خانے سے بھلا
دونوں سے پُوچھتا ہوں میں آسان دو سوال — ایمان آپ اور نہ تم دھرم چھوڑنا
بُت خانے اور حرم میں اگر ایک ہی چراغ — روشن کریں تو ہو گی کہاں روشنی سوا
اس کو بھی جانے دیجئے اور دیجئے جواب — کیا دَیر میں نہ کعبے کا پروانہ آئے گا
کہتا ہوں بس میں آپ سے مِل جائیے گلے
جھگڑے نہیں یہ کرتے جو سمجھے ہیں مدّعا

اُستاد کا مرتبہ

سِکندر جو یونان کا بادشہ تھا   کسی شخص نے اُس سے جا کر یہ پُوچھا
کہ "اے شاہ بجتا رہے تیرا ڈنکا   بڑھیں دوست تیرے، گھٹیں تیرے اعدا

میں ایک بات دریافت کرنے ہوں آیا
ہے باپ اور اُستاد کا مرتبہ کیا

کہا یہ سکندر نے "اے دوست سُن تو   نصیحت کے گُل میری باتوں سے چُن تو
یہی باندھ بس صبح اور شام دُھن تو   تجھے چاہئے گائے دونوں کے گُن تو

مگر تُو جو دیکھیگا میری نظر سے
ہے اُستاد کا بڑھ کے رُتبہ پدر سے

عدم سے پدر ہم کو ہستی میں لایا   ہمیں بچپنے میں کھلایا پلایا
ہمیں سُکھ دیا اور خود دُکھ اُٹھایا   غرض ہم نے اس سے بہت چین پایا

نہ کیوں ہو بھلا پھر ہمیں باپ پیارا
سمجھتا تھا وہ ہم کو آنکھوں کا تارا

نہ بھولے گا وہ بچپنے کا زمانہ   وہ اس کا ہمیں گودیوں میں کھلانا
ہماری اُچھل کود اور غل مچانا   وہ ہر بات پر اُس کو جا کر ستانا

وہ لے کر اُٹھے جس پہ اَڑ بیٹھتے تھے
مناتا تھا وہ جب بگڑ بیٹھتے تھے

ٹپکتی تھی ہر بات سے اُس کی شفقت   کسی سے نہ تھی ہم سے بڑھ کر محبّت
ہماری خوشی سے اُسے تھی مسرّت   غم اپنا تھا اس کے لئے ایک آفت

نہ پھر کیوں ہو منظور عزّت پدر کی
نہ کیوں ہم بجا لائیں خدمت پدر کی

غرض ہیں وہی نیک دُنیا میں بچّے — جو ماں باپ کی اپنے عزّت ہیں کرتے
جو ہیں مانتے دل سے سب حکم اُن کے — جو پھرتے نہیں ہیں اطاعت میں اُن سے

بڑائی کو ماں باپ کی مانتے ہیں
مُربّی اُنھیں اپنا گردانتے ہیں

تو ہاں یہ تو ماں باپ کی ہے فضیلت — کہ لازم ہے بچّوں کو دونوں کی خِدمت
مگر ان سے بھی بڑھ کے ہے جس کی عِزّت — وہ اُستاد ہے سُن لے اُس کی حقیقت

وہ اُستاد جس نے لکھایا، پڑھایا
اور اِنسانیت کا ہمیں گُر سکھایا

خدا کو اسی کی بدولت ہے جانا — اسی کے سبب سے پیمبر کو مانا
ہوئے اِس کے باعث وہ مشہور دانا — جنھیں یاد تھا کھیلنا اور کھانا

نہ کوئی اگر اپنا اُستاد ہوتا
نہ تہذیب کا پھر سبق یاد ہوتا

اسی نے سِکھائیں بھلائی کی باتیں — اِسی نے چھُڑائیں بُرائی کی باتیں
اِسی نے بتائیں بڑائی کی باتیں — غرض اِس سے آئیں خدائی کی باتیں

نہ ہم کو سِکھانے جو اُستاد آتا
تو بھُولے سے بھی کیا خدا یاد آتا

یہ لکھا ہے قِصّوں میں ایک بادشہ تھا — دیا اُس کو اللہ نے ایک بیٹا

اُسے اُس نے پڑھنے کو مکتب، جو بھیجا — یہ چاندی کی تختی پہ سونے سے لکھا
کہ اُستاد کے ظلم ہوں خواہ جتنے
پدر کے کرم سے زیادہ ہیں اچھے

جو چاہو یہ بچّو کہ پاؤ سعادت — یہ مرضی اگر ہے کہ حاصل ہو عزّت
اگر چاہتے ہو جہاں میں فضیلت — ہمیشہ یہ تم یاد رکھنا نصیحت
فقط یاد کیا، لکھ لو تم اِس کو زر سے
ہے رُتبے میں اُستاد بڑھ کر پدر سے

پھُولوں کی تعریف

تم بوستاں کی زینت- اے پیارے پیارے پھُولو — تم ہر مکاں کی زینت! اے پیارے پیارے پھُولو
سارے جہاں کی زینت- اے پیارے پیارے پھُولو — بل کہ جہاں کی زینت! اے پیارے پیارے پھُولو
آباد تم سے سب ہے، جنگل ہو یا ہو بستی
کچھ شک نہیں جہاں میں تم ہو عجیب ہستی

تم سب ہو خوب صورت، جنگلی ہو یا ہو شہری — ہر وقت تم ہو کھِلتے، ہو صبح یا دوپہری
رنگت ہے خوش نُما کیا، ہلکی ہو یا کہ گہری — ہے کوئی آسمانی اور کوئی ہے سُنہری
ہے خاص تم پہ شاید خالق کی مہربانی
طفلی تمھاری دل کش، دل چسپ ہے جوانی

اے پیارے پیارے پھُولو! کیا بات ہے تمھاری — ہے تم سے سب کو اُلفت، ہے تم کو چاہ سب کی
ہم نے تو ہر جگہ ہے صورت تمھاری دیکھی — مسلم کا ہو جنازہ، ہندو کی یا ہو ارتھی
یوں کوئی چیز ہونا اِک دین ہے خدا کی
ہر دل عزیز ہونا اِک دین ہے خدا کی

برسات کی بہار

بہت دھوم تھی گرمیوں نے مچائی زمانے میں اس کی پڑی تھی دُہائی
ہَوا جاکے پُورب سے پیغام لائی گئیں گرمیاں اور برسات آئی
لگیں آنے پھر بدلیاں کالی کالی
کسانوں کے چہروں پر آئی بحالی

گئیں بُھول سب گرمیاں لَن ترانی بَرسنے لگا موسلا دھار پانی
درختوں نے پہنی ہے پوشاک دھانی عجب رُت ہے برسات کی بھی سُہانی
ہری گھاس کا جھوم کر لہلہانا
پرندوں کا باغوں میں وہ چہچہانا

چمکنا فلک پر وہ بجلی کا چَم چَم زمیں پر برسنا وہ پانی کا جھم جھم
کبھی موسلا دھار اور گاہ کم کم کسانوں کا کہنا کہ تو آئیے جم جم
ہمیں کس لئے ہو نہ برسات پیاری
ہری کرتی ہے کھیتیاں یہ ہماری

ہَوا کا وہ طوفان اور اُس کی گڑ بڑ دریچوں کی پھٹ پھٹ، کواڑوں کی کھڑ کھڑ
چمکنا وہ بجلی کا بادل کی گڑ گڑ زمیں پر وہ کچے مکانوں کی دھڑ دھڑ
کہیں پر تو آئی ہے زوروں کی بہیا
پھنسا ہے کہیں بیل گاڑی کا پہیا

وہ چلنا ہوا زور سے سائیں سائیں وہ پرنالوں کی ہر طرف دھائیں دھائیں
ٹراموں میں لوگوں کی وہ کائیں کائیں وہ لڑنا جگہ کے لئے جھائیں جھائیں

وہ کیچڑ کا سڑکوں پہ اُڑنا چھپا چھپ
پھسل کر وہ لوگوں کا گرنا چھپا چھپ
وہ بطخوں کا کیچڑ میں چلنا چپا چپ　　وہ کیچڑ سے کیڑے اُٹھانا لپا لپ
وہ باغوں میں آموں کا گرنا ٹپا ٹپ　　وہ مالی کا جا جا کے چُننا جھپا جھپ

وہ جنگل میں موروں کی ہر دم پکاریں
وہ جھیلوں میں مُرغابیوں کی قطاریں
وہ چڑیوں کی چیں چیں، وہ بطخوں کی قیں قیں　　وہ کویل کی کُوکُو، وہ طوطوں کی ٹیں ٹیں
گدھوں کی وہ سیپوں، وہ بھیڑوں کی بھیں بھیں　　وہ گھوڑوں کی ہنہن، وہ بکری کی میں میں

پھلوں کی نہ ہوگی اُنھیں کوئی قِلت
نہ اِن کو ذرا چارہ ملنے میں دِقّت
کیا ہے خدا نے کرم اُن پر ایسا　　گھروں میں گوالوں کے بہتی ہے گنگا
دیا گائے بھینسوں نے ہے دُودھ اتنا　　کہ رکھنے کی بھی اُن کو ملتی نہیں جا

نہیں کوئی برتن ہے خالی ذرا سا
نہ ہانڈی، نہ لوٹا، نہ ٹھلیا، نہ مٹکا
سماں جنگلوں کے نہایت ہیں پیارے　　کہیں بارہ سنگھے، کہیں ہیں چکارے
نہیں خوف کچھ پھرتے ہیں مارے مارے　　عجب دل کشا ہیں مناظر یہ سارے

پہاڑوں سے وہ آبشاروں کا گرنا
وہ ہرنوں کا جنگل میں آزاد پھرنا
کریں شکر ہم کس زباں سے خدا کا　　کرم اپنے بندوں پر اُس کے ہیں کیا کیا

ہمارے لئے اُس نے بارش کو بھیجا یہ سب کچھ ہے اُس کے ہی دم کا ظہورا
جو بارش نہ ہوتی تو پھر کال ہوتا
غریبوں کا فاقوں سے کیا حال ہوتا

اِسی سے چرندوں کو مِلتا ہے چارا پرندوں کا بھی ہے اِسی پر گزارا
یہی ہے کسانوں کے دل کا سہارا اِسی سے ہے جینا ہمارا تمھارا
غضب تھا کہیں گر نہ بارش برستی
غرض دانے دانے کو دُنیا ترستی

خدا تُو ہے دُنیا کے گلشن کا مالی تری شان برتر، تری شان عالی
سوا تیرے ہے کوئی وارث نہ والی نہ یارب دکھانا کبھی قحط سالی
بھروسا یہ ہے تیری رحمت سے ہم کو
کہ وہ دُور رکھے گی زحمت سے ہم کو

نہ سختی کبھی کال کی ہم اُٹھائیں نہ مہنگی کی جھیلیں کبھی ہم جفائیں
یہی تیری درگاہ میں ہیں دعائیں رہیں قحط کی دُور ہم سے بلائیں
خدایا اناجوں سے کھیتوں کو بھر دے
دعا اپنے بندوں کی مقبول کر دے

گر چاہتے ہیں صلح تو بس کیجئے یہ کام ہندو سے رام رام، مسلمان کو سلام
تو غلامی کا ہے شیدا۔ یہ مگر یاد رہے وہی اللہ کا بندہ ہے جو آزاد رہے
چلے گا نہ گھوڑا کبھی ایک گام اگر اس کے قبضے میں ہو گی لگام
یہی تجھ سے ہے التجا بار بار گنہ بخش دے میرے آمرزگار

بہادر لڑکا

جناب مولانا عبدالحق صاحب بی۔اے مدیر ... اردو اورنگ آباد ... بی۔اے نے ... کیا پاک صاف اور ستھری نظم ہے"

خدا آگ لگنے سے سب کو بچائے ۔ نہ اس کی کسی پر کبھی آنچ آئے
نہ دشمن کو بھی یہ خدا دن دکھائے ۔ کہ گھر بار کو آگ اس کے جلائے
نہ چنگاری اچھی ہے اس کی، نہ لُوکا
شرارہ بنا، شعلہ، کوئی جو چُوکا

کتابوں میں قصہ لکھا ہے یہ دیکھا ۔ کہ اِک گھر سے "آگ آگ" کا شور اُٹھا
یہ سُن کر ہر اِک بوڑھا بچّہ وہاں کا ۔ بچانے کو جاں اپنی اس گھر سے بھاگا
ہر اِک اپنے کمرے سے اس طرح سَرکا
خبر پیر کی تھی۔ نہ تھا ہوش سَر کا

نکل کر کھڑے ہو گئے سب ہی باہر ۔ لگی پھیلنے آگ ادھر سارے گھر پر
دھواں چَوندھیانے لگا سب کو یک سر ۔ سڑک پر ہوئے وہ کھڑے، دُور جاکر
اُدھر تو ہَوا زور سے چل رہی تھی
اِدھر یہ عمارت کھڑی جل رہی تھی

بھڑکنے لگے اب تو زوروں سے شعلے ۔ دھڑا دھڑ لگے گھر کے شہتیر گرنے
تماشائی جتنے وہاں پر کھڑے تھے ۔ ہوئے گھر کے بچنے سے مایُوس سارے
جو آتا وہاں، یا وہاں سے گزرتا
ہر اک بے گھروں پر تھا افسوس کرتا

کوئی کہتا اب ان کا کیا ہے سہارا ۔ کہ اس آگ نے ان کو بے موت مارا
ملا خاک میں ان کا دھن مال سارا ۔ یہ سُن کر انہیں میں سے اِک یوں پکارا

"نہیں فائدہ کرنے سے ہائے ہائے
مثل ہے 'بچی جان اور لاکھوں پائے'

غرض یوں ہی ہر ایک تھا رائے دیتا کہ اتنے میں مجمع سے ایک شور اُٹّھا
ہوئے ہوش بر جا تو ہیں دیکھتے کیا کہ چلّاتی ہے اِس طرح ایک دُکھیا

"تجھے میرے بچّے میں لاؤں کہاں سے
ارے لاڈلے تجھ کو پاؤں کہاں سے"

"حقیقت سُنو میری اولاد والو خدا کے لئے داد کو میری پہنچو
اُسی کا میں ہوں واسطہ دیتی تم کو بچاؤ مِرے لال کو جس طرح ہو

جہاں میں تھی بچّہ بھی میرا وہیں ہے
کوئی اور میرا سہارا نہیں ہے"

یہ کہہ کر وہ لوگوں سے رو رو کے بولی "کنارے سے ہے تیسری وہ جو کھڑکی
وہی کوٹھری ہے وہی، لوگو میری وہیں ہے بچھی بیچ میں اک پلنگڑی

وہیں گود کا میری پالا وہیں ہے
مِرے گھر کا لوگو اُجالا وہیں ہے"

یہ سُن کر ہر اِک رہ گیا ہکّا بکّا کسی کو نہ زنہار کچھ سُوجھتا تھا
بچائے وہ کس طرح دُکھیا کا لڑکا نہ اِتنوں میں تھا حوصلہ یہ کِسی کا

کہ دانستہ وہ جان آفت میں ڈالے
بنے جس طرح اُس کو جا کر بچالے

کسی کا یہ تھا قول "اُس کا مقدّر لکھا تھا یہ قسمت میں ہو خاک جل کر"

میری دانست میں اِن سے بہتر اور سلیس تر نظمیں نہیں ہو سکتیں۔ اِس کی نقل ہر طفلِ مکتب کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔

خدیجہ شفیع طیّب جی

۱۱ر فروری ۱۹۳۱ء

حضرت مولانا مولوی عبدالحق صاحب زاد مجدہ سکرٹری انجمن ترقیٔ اُردو

مدیر جریدۂ اُردو (اورنگ آباد) و مرتّب نصابِ تعلیم ممالک محروسۂ سرکارِ عالی نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ

حضرت ناظم انصاری نے انھیں چند روز میں نظموں کے دو مجموعے شائع کئے ہیں۔ ایک تو "دل چسپ نظمیں" اور دوسرا یہ "دلبستان"۔ ان دونوں میں لڑکے لڑکیوں کے لئے بہت ہی دل چسپ اور اخلاقی نظمیں ہیں۔ ہماری زبان میں اس کی بہت بڑی کمی تھی۔ اس سے پہلے صرف مولانا محمّد اسمٰعیل مرحوم نے ایسی نظمیں لکھی تھیں۔ اس کے بعد کسی کو توفیق نہ ہوئی۔ اب ناظم صاحب نے قلم اُٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ بچّوں کے لئے نظم لکھنا نہایت مشکل کام ہے، اس میں بڑے بڑے شاعر رہ جاتے ہیں۔ اول تو زبان ایسی سادہ ہو کہ بچّہ سمجھ سکے، خیالات اُس کی فہم کے مطابق ہوں کہ اسے اُلجھن نہ ہو، مضمون ایسا ہو کہ دل لگے اور قطع نظر ان سب باتوں کے شاعری کا لطف ہاتھ سے نہ جائے اور بچّہ اسے مزے لے لے کے پڑھے اور اس میں ابتدا ہی سے شعر کا ذوق پیدا ہو جائے۔ ناظم صاحب کی نظموں میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔ نظمیں بہت ہی بے تکلف ہیں۔ جتنی ہیں کام کی باتیں ہیں اور لطف سے خالی نہیں۔ زبان بہت پاک صاف اور سادہ ہے۔ غرض یہ نظمیں بچّوں کے لئے بڑی نعمت ہیں اور امید ہے کہ ہمارے ملک کے تعلیمی سر رشتے اور مدارس ان کی پوری پوری قدر کریں گے۔

کسی کا یہ کہنا تھا "اے بندہ پرور   نہیں زندگی اپنی ہم کو تو دُوبھر
نہیں گھر تو یہ، موت کا اِک مکاں ہے
سُنو بھائیو، جان ہے تو جہاں ہے"

غرض جس کے مُنہ میں جو آتا وہ کہتا   کہ اتنے میں پھر بھیڑ سے شور اُٹھا
سبھوں نے یہ دیکھا وہاں ایک لڑکا   یہ چِلّاتا پہنچا۔ "میں آیا۔ میں آیا"
کہا اُس نے عورت سے "گھبرا نہ مادر
ابھی آیا میں تیرے بچے کو لے کر"

یہ کہہ کر نظر اُس نے چاروں طرف کی   دکھائی دی اس کو پڑی ایک سیڑھی
اُٹھا کر وہ پاس اُس نے کھڑکی کے رکھی   نہ کی جان کی اُس نے پروا ذرا بھی
لگی اُس کی ہمت عجب طرح بڑھنے
لگا بے تحاشا وہ سیڑھی پہ چڑھنے

تماشائیوں نے جو یہ حال دیکھا   کہ آمادہ ہے جان دینے پہ لڑکا
کہا سب نے حیرت سے "یہ بات ہے کیا   کوئی رونے والا نہیں شاید اس کا
نہیں تو یہ کیوں موت کے مُنہ میں جاتا
یہ کیوں جان اس طرح اپنی گنواتا

ابھی تو نہیں ہے یہ پُورا جواں بھی   مَسیں بھی نہیں ہیں ابھی اس کی بھیگی
ابھی سے ہے کیا موت کی اس کو جلدی   کہ یہ عمر ہے کھانے یا کھیلنے کی
کہا سب نے اس سے نہ کر یہ ستم تو
جوانی کا ماں باپ کو دے نہ غم تو"

بہادر بھی سُنتا ہے ایسی کسی کی کہیں بات سے بھی وہ پھرتا ہے اپنی
وہ کیوں ڈرتا مرنے سے کیا تھا وہ لڑکی چڑھا وہ یہ کہتا کہ "چاہے ہو کچھ بھی
میں زندہ رہوں یا چلا جاؤں جاں سے
ملا دوں گا لڑکے کو میں اس کی ماں سے"

یہ کہتا ہوا پاس کھڑکی کے پہنچا پھرانے کو مُنہ اس کا اک آیا لُوکا
جلے اُس کے کپڑے بھی اور خود بھی جُھلسا نہ ہمّت میں اُس کی مگر فرق آیا
کہا ہی کئے سب "یہ ہوتا نہ ہم سے"
پڑا کود لڑکا جو کھڑکی میں دھم سے!

دھوئیں سے وہاں پر تھا وہ گھپ اندھیرا نہ ایسا کوئی قید خانہ بھی ہوگا
نہ گو ہاتھ کو ہاتھ تک سُوجھتا تھا بڑھا وہ مگر نام لے کر خدا کا
دعا کی "مری آبرو آج رکھ لے
گنہ گار بندے کی تو لاج رکھ لے"

تڑپ کر دعائیں جو اس نے یہ مانگیں فرشتے فلک پر پُکارے کہ "آمیں"
ملک اُس کی ہمت پہ کرتے تھے تحسیں غرض یہ بڑھا دو قدم اور جونہی
پلنگڑی سے ٹھوکر لگی اور گرا وہ
مگر گرتے ہی بس ہوا اُٹھ کھڑا

پلنگڑی کو ہاتھوں سے اس نے ٹٹولا تو اتنے میں بچّہ بھی بس جاگ اُٹھا
اُٹھا کر گلے سے اُسے بس لگایا لئے وہ اسے پاس کھڑکی کے پہنچا
یہاں اس سے مایوس سب ہو چکے تھے

اُسے اپنی دانست میں کھو چکے تھے

تماشائیوں نے تعجب سے دیکھا بچا لایا دُکھیا کے بچّے کو لڑکا
تو بارے اب اُن کو بھی کچھ جوش آیا ہر اِک سمت اِک شور تھا مرحبا کا

چڑھے کہتے سیڑھی پہ وہ "لاؤ لاؤ
ہمیں دو اِسے جان اپنی بچاؤ"

غرض اُس نے بچّہ تو لوگوں کو سونپا ازاں بعد خود آپ سیڑھی سے اُترا
مگر پُوچھیے آپ حال اُس کا کیا تھا جلے بال تھے سر کے اور جِسم جھلسا

وہ حالت کہ خطرے میں تھی اس کی جاں بھی
وہ صورت جو دیکھے نہ پہچانے ماں بھی

اِدھر ماں نے بچّے کو زندہ جو پایا لگی کہنے وہ ہاتھ اُٹھا کر "خدایا
مجھے لال سے اپنے جس نے مِلایا سلامت رہے اپنی ماں کا وہ جایا"

یہ بچّے کو پھر اپنے لے کر پکاری
"یہ ماں تیرے صدقے یہ ماں تیرے واری"

غرض کچھ تھا ایسا بہادر وہ لڑکا کہ اب تک زمانے میں چرچا ہے جس کا
کیا کام ہی اُس نے ہمّت کا ایسا ہوئی جان تک کی بھی اس کو نہ پروا

یہ ناظم تو اب ہاتھ اُٹھا کر دُعا دے
کہ ہم کو بھی ایسی ہی ہمّت خدا دے

نہاں تجھ میں کیا ساری دُنیا نہیں ہے سمجھ اپنی ہستی کہ تو کیا نہیں ہے
نمائش کریں کیوں تنگ ظرفیوں کی ہمیں دیکھنا ہے دِکھانا نہیں ہے

کوشش کرو

ہو مرد، کہ عورت ہو، وہ بچہ ہو کہ بوڑھا   زردار ہو، مفلس ہو، وہ اعلیٰ ہو کہ ادنیٰ
ہندی ہو کہ انگریز ہو، کالا ہو کہ گورا   ہر اک سے کہو تم، یہ سبق بھول نہ جانا

"وہ کون سا عقدہ ہے کہ وا ہو نہیں سکتا
کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا"

اک مرتبہ ناکام رہے تم چلو مانا   جو کام کیا تم نے نہ وہ ہو سکا پورا
کوشش تو کرو لے کے ذرا نام خدا کا   پھر دیکھو تو کس طرح وہ تم سے نہیں ہوتا

"وہ کون سا عقدہ ہے کہ وا ہو نہیں سکتا
کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا"

ہاں مان لیا یہ کہ دوبارہ رہے ناکام   کوشش کرو پھر تا کہ نہ دنیا میں ہو بدنام
بس کر کے اُسے چھوڑو جو لو ہاتھ میں تم کام   یہ بات نہ بھولو کبھی تا نیک ہو انجام

"وہ کون سا عقدہ ہے کہ وا ہو نہیں سکتا
کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا"

ہمّت کا دھنی جو ہے نہ کیسے پھلے پھولے   ہمّت کا جو ہیٹا ہے پڑا وہ یونہی جھولے
کوشش جو کرے چھت کو فلک کی بھی وہ چھو لے   جو اپنا بھلا چاہے وہ زنہار نہ بھولے

"وہ کون سا عقدہ ہے کہ وا ہو نہیں سکتا
کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا"

لینا دینا کچھ نہیں، خالی میٹھی بات + دل میں جو رکھے کپٹ اس کے سر پر لات
رو رو تیرے دن گئے، سو سو تیری رین + پھر بتلا کہ بڑھاپے پائے گا کیا چین

کسان اور اُمید

مُرجھا گئی ہیں مینہہ کے نہ ہونے سے کھیتیاں — اُڑنے لگیں کسان کے مُنہ پر ہوائیاں
دیکھیں سلوک کرتا ہے کیا اس سے آسماں — دیکھیں تو کیا دکھاتی ہے قسمت اِسے سماں

بیٹھا ہے سر جھکائے طبیعت اُداس ہے
خالق سے لَو لگی ہے اُسی ہی کی آس ہے

بیٹھا ہے سر جھکائے اِسی فکر میں کسان — پانی کا تو کہیں نظر آتا نہیں نشان
جاتی ہے ہائے کھائے یہی فکر اس کی جان — کس طرح اب کے دے گا وہ سرکار کو لگان

رفتار تو بہت ہی بُری ہے زمانے کی
کھانا پڑے ہوا نہ کہیں جیل خانے کی

کس طرح ہو بیان مصیبت غریب کی — سُوکھی پڑی ہوئی ہے زراعت غریب کی
کس طرح ٹوٹ جائے نہ ہمّت غریب کی — ہے سال بھر کی بس یہی محنت غریب کی

کچّا ہے ساتھ، پاس نہیں ایک پائی ہے
اُس پر کہے بغیر مصیبت یہ آئی ہے

بیٹھا تھا وہ غریب یُوں ہی بُت بنا ہوا — دیتا نہ تھا دکھائی اُسے کچھ بُرا بھلا
حسرت سے تک رہا تھا وہ مُنہ آسماں کا — ناگہ کسی طرف سے یہ آئی اُسے ندا

اِس طرح آپ بیٹھیں گے بےکار تابہ کے
یُوں ٹھنڈی سانسیں کھینچیں گے ہر بار تابہ کے

اُٹھئے خدا کے واسطے ہمّت نہ ہاریئے — اُمید نام ہے مرا، ہوں ساتھ آپ کے
یوں بیٹھے رہنے سے بھی کہیں کام ہیں بنے — ہمّت کے آج دہر میں ڈنکے ہیں بج رہے

کم زور مار لیتے ہیں پالا اِسی کے بَل
اور لیتے ہیں مریض سنبھالا اِسی کے بَل

یہ سُنتے ہی کِسان کو اُمید سی بندھی　　جاتی رہی وہ یاس جو کچھ دیر پہلے تھی
چہرہ لگا دَمکنے، طبیعت بَہل گئی　　اُٹھا اور اُٹھ کے کھیت سے لی راہ چاہ کی
ڈالا کُنوّیں میں ڈول کو اور کھینچنے لگا
بیچارہ اپنے کھیت کو یُوں سینچنے لگا

اُمید! تیرے بَل کا ہے بوتا کِسان کو　　اُمید! ہے ترا ہی سہارا کِسان کو
اُمید! میں نے تجھ کو ہی سونپا کِسان کو　　اُمید! دیکھ بُھول نہ جانا کِسان کو
کرنا نہ اختیار طریق آسمان کا
اُمید! ساتھ چھوڑ نہ دینا کِسان کا

سب کو نہال کرتی ہے محنت کِسان کی　　کیوں ہو نہ پھر ہر اِک کو محبّت کِسان کی
یکساں ہر ایک پر ہے عنایت کِسان کی　　چھوٹے بڑے کے دِل میں ہے عِزّت کِسان کی
ہے اُس کی محنتوں پہ گزارا جہان کا
اِحسان کیسے مانے نہ دُنیا کِسان کا

موتی اُس کو کیا ملیں بھاگ میں جس کے خاک　　دھونے سے کوکر بھلا ہوتا بھی ہے پاک

جس طرح ہے شباب میں طفلی کا ہم کو غم　　پیری میں یُوں ہی رنج رہے گا شباب کا

کفر سے ہم کو ہے مطلب نہ ہے اسلام سے کام　　ہم کو تو یار کی یاری سے غرض کام سے کام

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ہمارا دیس

ہند کی آنکھوں کا تارا — مُسلِم کو ہے دل سے پیارا
انگریزوں کا یہ ہے سہارا — سب سے اچّھا دیس ہمارا
رُوسی، طُوسی، چینی، رُومی — سب نے اِس کی چوکھٹ چُومی
سب کی محافظ اپنی بھُومی — سب سے اچّھا دیس ہمارا
ٹھنڈی ٹھنڈی اس کی پُھواریں — پیاری پیاری اس کی بہاریں
کیوں نہ مگن ہم ہو کے پُکاریں — سب سے اچّھا دیس ہمارا
سب سے اچّھے اس کے جھرنے — آؤ چلیں ہم بھی جَل بھرنے
یہ کہنے سے کیوں لگے ڈرنے — سب سے اچّھا دیس ہمارا
اِس کا ہی دم بھَرنے والے — کیا ہیں کسی سے ڈرنے والے
ناد یہی ہیں کرنے والے — سب سے اچّھا دیس ہمارا
سب سے اچّھے اس کے دریا — سندھ۔ برہمپُت۔ گنگا۔ جمنا
میٹھا میٹھا جَل ہے جن کا — سب سے اچّھا دیس ہمارا
مسلم ہوں، یا ہوں عیسائی — ہندو ہوں یا ہوں مُوسائی
آؤ کہیں سب مِل کر بھائی — سب سے اچّھا دیس ہمارا
جب کہ دیا ہم اُس کا کھائیں — جب کہ یہاں سُکھ چین یہ پائیں
کیوں نہ بھلا سب مِل کر گائیں — سب سے اچّھا دیس ہمارا
او جگ داتا جگت کے سوامی — تو ہے نرمل۔ ہم ہیں کامی
تُو بَن اِس دھرتی کا حامی — سب سے اچّھا دیس ہمارا

بھُومی = زمین
جل = پانی
ناد = صدا
سوامی = مالک
نرمل = خالص
کامی = ہوس پرست

وطن کا ترانہ

ہو یاس زندگی سے، یا دم لبوں پر اَٹکے — دے کوئی ساتھ میرا، یا پاس بھی نہ پھٹکے
کہتا ہوں ڈر نہیں ہے میں یہ بغیر کھٹکے — اپنے وطن کی خاطر مر جاؤں گا میں کٹ کے

مرغوب جیسے مالی کو ہے چمن کی خدمت
محبوب ہے مجھے بھی اپنے وطن کی خدمت

آئے گا کوئی دشمن تو اُس سے مَیں لڑوں گا — جرأت ہیں کیا کسی سے ہیٹا کہیں پڑوں گا
مَیں کوہ کی طرح سے میدان میں اَڑوں گا — مَر جاؤں گا یہیں مَیں اور مَیں یہیں گڑوں گا

جو میری ہند ماتا تیرا ہے نیک بیٹا
خدمت سے تیری کیوں کر وہ پھر رہے گا ہیٹا

ہے خواب میں بھی مجھ کو تیرا ہی دِھیان آتا — تیرے سِوا کوئی ہے نظروں میں کب سماتا
تجز تیرے میں کسی کو خاطر میں کیا ہوں لاتا — ادنیٰ ہوں تیرا بندہ، اے میری ہند ماتا

پھولوں کو جیسے بھاتا، بُلبُل کا ہے ترانہ
مرغوب ہے مجھے بھی تیرا یُوں ہی فسانہ

آئی ہے عقل جب سے اور ہوش ہے سنبھالا — تیرا ہی دھیان مجھ کو ہر دم ہے ہند ماتا
کیا ڈر مجھے کسی کا جب ہے یہ قول میرا — کیا جانوں بے وفائی، بندہ ہوں میں وفا کا

خواہش یہ ہے رہوں میں ثابت قدم وفا میں
ہے یہ دُعا کسی سے میں ہوں نہ کم وفا میں

آغوش میں جو تیری اے ہند چین پائیں — پھر یاد دل سے تیری کس طرح ہم بھلائیں
پھر چھوڑ کر تجھے ہم کیسے کہیں کو جائیں — پھر کیوں بھلا کسی کی بھائیں ہمیں ادائیں

ملتا ہے لطف کیا کیا صحبت میں تیری ہم کو
کیا خاک چین آئے فُرقت میں تیری ہم کو

ہے آرزو تجھے میں پھر سر بلند دیکھوں　　اور پیش رُو سبھوں سے تیرا سمند دیکھوں
گردن میں مَیں ہر اِک کی تیری کمند دیکھوں　　فیروز تجھ کو دیکھوں اور فتح مند دیکھوں
ہو جائیں ہند ماتا بدحال تیرے دشمن
ہے یہ دعا کہ سب ہوں پامال تیرے دشمن

اے فخرِ کُل جہاں کے ہندوستان پیارے　　بڑھتی رہے زمانے میں تیری شان پیارے
تو پائے آفتوں سے ہر دم امان پیارے　　اُڑتا رہے ہمیشہ تیرا نشان پیارے
دنیا کی ہو نظر میں عزت تری زیادہ
رتبہ ہو تیرا اعلیٰ، عظمت تری زیادہ

لبریز ہو خوشی سے اے ہند جام تیرا　　ہے یہ دُعا کہ مجھ سے بن آئے کام تیرا
دُنیا سے جب یہ جائے ادنیٰ غلام تیرا　　دل میں ہو یاد تیری لب پر ہو نام تیرا
عزّت کی ہے تمنّا، خواہاں نہ میں ہوں دھن کا
ہے آرزو کہیں سب "عاشق تھا یہ وطن کا"

تمام شد

گزشتہ سال انجمن ترقی اُردو نے مدارس ممالک محروسۂ سرکارِعالی (ریاست حیدرآباد) کے لئے ابتدائی کتابیں (ریڈرس) مرتب کی تھیں۔ مجھے یہ نظمیں دیکھ کر بہت حسرت ہوئی کہ اگر اُس وقت یہ ہوتیں تو مجھے ان کتابوں کے تیار کرنے میں ان سے کس قدر مدد ملتی اور اس قسم کی نظموں کے جہیا کرنے میں جو کوفت ہوئی اس سے بچتا۔ میں ناظم صاحب کو دل سے مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ نظمیں ایسی مقبول ہوں گی کہ گھر گھر ان کا چرچا ہوگا اور کسی بچے کا ہاتھ ان سے خالی نہ ہوگا۔

عبدالحق

حیدرآباد دکن

۱۵ فروری ۱۹۳۱ء

لسان الملک حضرت مولانا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی مدظلہ العالی

لکھنؤ۔ عزیز منزل ۱۶ فروری ۳۱ء

مکرمی۔ نظموں کا مجموعہ دبستان پہونچا۔

میں آپ کو اس مجموعہ نظم کی تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں ایسے دور میں جب زبان کی مٹی پلید ہو رہی ہے آپ نے ایک بہترین نمونہ دنیائے ادب میں پیش کیا۔ میں نے جستہ جستہ اس کو دیکھا مجھے بیحد مسرت ہوئی کہ آپ کو اس کی تصنیف میں نمایاں کامیابی ہوئی۔ یہ مجموعہ ہر شخص کے لئے نہایت دلچسپ ہے اور بچوں کے لئے تو خصوصیت سے کارآمد اور مفید ہے۔

ایسی نظمیں کہنے پر ہر شاعر قادر نہیں غیرمانوس ترکیبوں کا استعمال اور بڑی بڑی لفظوں سے کلام کی جزالت بڑھانا آسان ہے مگر سلیس اور سادے الفاظ میں شعر کہنا مشکل ہے۔

عیب جوئی میرا مسلک نہیں اس لئے نقد و تبصرہ کی نظر نہیں ڈالی ممکن ہے کہ نکتہ چینوں کو اس سبد گل میں کوئی کانٹا بھی دکھائی دے مگر مجھے تو یہ مجموعہ بہت پسند آیا۔ خدا اسے وہی مقبولیت عطا

[illegible]

[illegible]

دل چسپ نظمیں

بہت سی بیش قیمت رایوں میں سے صرف چند کا خلاصہ

حضرت مولانا عبدالحق سکرٹری انجمن ترقی اُردو ۔ اورنگ آباد :۔

"ایسی سادہ اور دلچسپ نظمیں لکھنا ہر شاعر کا کام نہیں، یہ بہت کٹھن منزل ہے۔ بڑے بڑے مدعی رہ جاتے ہیں"

حضرت عثمانی مدیر اودھ پنچ لکھنؤ :۔ خالص عام فہم اُردو ہے۔ پیاری پیاری بول چال ہے۔ ہر نظم ایک سبق ہے اور ہر سبق ایک نصیحت، اُردو مدارس میں ایسی سی کتاب کے اعتبار سے اس کا رواج یقیناً مفید ہے (اودھ پنچ، ۷ فروری ۱۹۳۱ء)"

آگرہ اخبار :۔ "اُردو پڑھنے والے بچوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے"

ہونہار (بچوں کا رسالہ) دہلی :۔ جناب ناظم انصاری صاحب کو بچوں کے لئے نظمیں لکھنے میں کمال حاصل ہے۔ فارسی عربی کی ترکیبوں سے الگ بالکل عام فہم اور سلیس زبان میں ہوتی ہیں جن کو بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں"

مُبَصِّر لکھنؤ

اُردو علم ادب کا بہترین ماہانہ رسالہ

قیمت سالانہ للعہ مع محصول ڈاک

پتا :۔ مینیجر مُبَصِّر، وکٹوریہ سٹریٹ، لکھنؤ

مسیح الملک حضرت حکیم اجمل خان مغفور کے شاگرد رشید جناب السید علی صاحب متخلص بہ آشفتہ لکھنوی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ ٹھوس ادبی کام انجام دینے والوں کی صفِ اوّل میں یہ رسالہ ہے۔ ملک کے بہترین اہلِ قلم اس کے مضمون نگار ہیں۔ اگر اگر آپ کو صحیح اُردو لکھنے پڑھنے کا واقعی شوق ہے تو اس سے بہتر معلّم آپ کو ملنا دشوار ہے۔ اس کی خریداری زبانِ اُردو کی حمایت ہے۔

ہر کتاب اخلاق و ادب کی تعلیم دیتی ہ

"دبستان" کے مصنف کے قلم سے

سلیس نظمیں:۔ مصنف کی سب سے پہلی کامیاب کوشش، ان میں وہ نظمیں بھی ہیں جو چھپنے سے
گئی تھیں۔ اب یہ کتاب چھپے گی تو ملے گی ٥ رکے ٹکٹ بھیج کر منگاؤ

دلچسپ نظمیں ہر بچے کے لئے دل بہلاؤ کا بہترین سامان بے حد پیاری نظمیں۔ ہر نظم ایک سبق
ایک نصیحت۔ طبع اول دو بار چھپوانا پڑی قیمت ۲. رکے ٹکٹ بھیجو

بچوں کے کام اس کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے کوئی بچہ بے ادب رہ ہی نہیں سکتا۔ دیکھ
نصیحتوں سے معمور اور پھر ایسی دل کش کہ کیا مجال ختم کئے بغیر کوئی چھوڑ دے تو بھی
کے لیے اس سے بہتر اخلاقی مجموعہ اب تک نہیں چھپا قیمت ۲. رکے ٹکٹ بھیجو

بچیوں کے کام جو بچیاں نیک مائیں اور سلیقہ مند بیٹیاں بننا چاہیں وہ اس کتاب
پڑھیں اس کی ہر بات یاد رکھنے کے لائق ہے قیمت ۲. رکے ٹکٹ بھیج

سب کتابیں ۱۲ رکے ٹکٹ آنے پر فوراً روانہ ہوں

سب کتابیں ملنے کے پتے:۔

ناظم انصاری، تاردیو، پوسٹ نمبر ۷ بمبئی

جناب مولانا فتح محمد صاحب ہیڈ ماسٹر انجمن اسلام سینڈہرسٹ روڈ

مطبوعہ مطبع رحیمی اصطبل اسٹریٹ بمبئی نمبر ۹ پرنٹر عثمان خدا بخش

کرے جو ادب فارسی میں بوستان کو حاصل ہے

غزیز

عالی جناب خان بہادر حکیم محمدّ دائم صاحب مدظلہ العالی آنریری سکرٹری انجمن اسلام بمبئی

جو شخص باوجود گوناگوں مصروفیتوں کے ایک مہینے سے بھی کم مدت میں ڈھائی سو سے زیادہ نظمیں ایسی لکھ دے کہ اُردو علمِ ادب میں جن کا جواب نہ ہو، جن کے متعلق ماہرانِ تعلیم کی یہ منصفانہ رائے ہو کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے" عے اور مالکانِ زبانِ اُردو کا یہ فتویٰ ہو کہ مصنّف نے "بہترین نمونہ دُنیائے ادب میں پیش کیا ہے" عہ اور "ان سے بہتر ممکن نہیں۔" سے۔ جن کی داد مستند نقادِ فن کی طرف سے یہ ملے کہ "وہ ہر عیب سے پاک اور ہر خوبی سے مملو" للعہ ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو صرف تعلیمی مشاغل میں اپنا وقت صرف کرنے کا موقع ملے، تو وہ کیا کچھ کر سکتا ہے یا کیا نہیں کر سکتا؟

میں ملک کے تمام سررشتہ ہائے تعلیمات کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے مصنّف اور ایسی تصانیف کی قدر لاریب کہ علم کی عین قدر دانی ہے

حکیم محمدّ دائم

عے حضرت مولانا عبدالحق صاحب بی آے سکرٹری انجمن ترقی اُردو مدیر جریدۂ "اُردو" اورنگ آباد و مرتب نصاب اُردو مجریہ ممالک محروسہ سرکار نظام دکن (حیدرآباد)

عہ حضرت لسان الملک مولانا عزیز لکھنوی

سے حضرت لسان القوم مولانا صفی لکھنوی

للعہ حضرت حکیم شیخ محمد ممتاز حسین صاحب عثمانی مالک و مدیر اودھ پنچ لکھنؤ

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
دیباچہ، مقدمہ، تقاریظ	۲-۱۶	بچپن کا زمانہ	۳۶	حق شناس آقا	۶۰
حمد	۱۷	بچپن کی یاد	۳۷	قناعت کے غلط معنے	۶۱
خدا کی ثنا	۱۸	بچپن کی کہانی	۳۸	فقیر کا کتّا	۶۲
پروردگار	۲۰	محنت کے فائدے	۴۵	اندھا لڑکا	۶۳
خدا سے دعا	۲۱	بچوں کو نصیحت	۴۶	مینہ کے فائدے	۶۴
شب کی دعا	۲۲	صبح کا سماں	〃	نیک لڑکا	۶۵
خدا کا شکر	۲۳	سورج کا کام	۴۷	آج کا کام کل پر نہ چھوڑو	۶۶
خدا سے التجا	۲۴	تین قاعدے	۴۸	چغل خور اور پارسا	۶۷
خدا سب دیکھتا ہے	۲۵	پرندوں سے سبق	۴۹	بیمار اور ڈاکٹر	〃
مناجات	۲۶	نوشیروان کا جواب	۵۰	شریر چوہے	۶۸
دیوانے کی دعا	۲۸	کام کی باتیں	۵۱	اُونٹ	۶۹
خدا کے کام	۳۰	بھید نہ کہو	۵۴	غیبت کا حکم	۷۰
بچّہ اور صبح	۳۱	حبشی کا جواب	۵۵	فضول خرچ لڑکا	۷۱
شب بخیر	۳۲	علم کے فائدے	۵۶	دو احمقوں کی لڑائی	〃
آرام کرو	۳۳	عاجزی کر	۵۷	اچھی گائے	۷۲
عقل کی خوبیاں	۳۴	شہزادے کو نصیحت	۵۸	بدگو کا قاصد	۷۳
لوری	۳۵	کوّے کی ہشیاری	۵۹	حاتم اور لکڑہارا	۷۴

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
نمکوں کی گنتی	۷۵	فقیرنی بلّی	۸۸	کوّے کا حُسن	۱۱۰
ہماری بلّی	″	بلّی کی استادی	۸۹	تیلے اور ہاتھی کی جنگ	۱۱۱
دولت کا استعمال	۷۶	بُری صحبت	۹۰	علم کا باغ	۱۱۶
ایک بُھوکا اور چور	۷۷	تھکا ہوا مسافر	۹۱	قلم کی تعریف	۱۱۸
چوزہ اور آدمی کا بچّہ	۷۸	ہوا اور سُورج	۹۲	خدا کہاں ہے	۱۱۹
دو فضول کام	۷۹	لالچی کتّا	۹۷	استاد کا مرتبہ	۱۲۰
ماں کی اطاعت	″	بے وقوف کوّا	۹۸	پُھولوں کی تعریف	۱۲۲
چند نصیحتیں	۸۰	مور اور کلنگ	۱۰۰	برسات کی بہار	۱۲۳
محبّت کا ترانہ	۸۱	بہروپیا گدھا	۱۰۱	بہادر لڑکا	۱۲۶
لکڑی بیچنے والا	۸۲	شکرا اور مرغ	۱۰۳	کوشش کرو	۱۳۰
زندگی کا پھل	۸۳	مجبور اونٹنی	۱۰۴	کسان اور اُمید	۱۳۲
ندّی کی سرگزشت	۸۵	ایک مکڑی اور مکھی	۱۰۵	ہمارا دیس	۱۳۴
خرگوش اور کچھوا	۸۶	میاں چھیدا	۱۰۸	وطن کا ترانہ	۱۳۵

غلط نامہ

گناہ کی عذر خواہی گناہ سے بدتر کہی جاتی ہے اس لئے میں ان غلطیوں کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا جو باوجود احتیاط اس کتاب میں رہ گئی ہیں اس کے علاوہ میں نہایت ہی بُرا پروف پڑھنے والا ہوں بہر حال اتنی تو امید ہے کہ اس کتاب میں جو چند غلطیاں رہ گئی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ادنیٰ سی توجہ سے درست نہ ہو سکیں اور اسی لئے میں نے ان کو الگ دکھانے کی ضرورت نہ سمجھی۔

خادم ناظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

کریں ابتدا خاص اُس نام سے
جسے کہتے اللہ ہیں اور خدا

وہ رحمٰن ہے اور وہ ہے رحیم
سزاوار بے شک وہ ہے حمد کا

وہ اللہ جو رب جہانوں کا ہے
وہ ایسا ہے جو سب کو ہے پالتا

قیامت کے دن کا ہے مالک وہی
وہی رحم والا ہے سب سے بڑا

تری ہی عبادت کا ہے ہم پہ فرض
تجھی سے ہے لازم مدد مانگنا

ہدایت ہمیں سیدھے رستے پہ کر
ہمیں ایسے بندوں کا رستا دِکھا

کہ اُتری ہیں جن پر تری نعمتیں
اُنھیں کو ہمارا بنا رہ نُما

نہ ہم ایسے لوگوں کا رستا چلیں
کہ جن پر غضب تیرا نازل ہوا

جو بھٹکے ہوئے خود ہیں اے کردگار
دکھائیں گے وہ ہم کو کیا راستا

بھلا کیا ہمارا یہ مقدور ہے
کہ ہو حمد کا فرض ہم سے ادا

ہم اب اور اس کے سوا کیا کہیں
جو تجھ سے سُنا بس وہی کہ دیا (قرآن)

حرم جُو کرتے ہیں در کی پرستش
تو عالم اپنے ذوق کی پرستش

اُٹھا دے پردہ تا معلوم تو ہو
کہ یہ کرتے ہیں دیگر کی پرستش

نہ بیٹھو کبھی بے ادب کے قریب
وہ ہو چاہے زردار یا ہو غریب

ادب سیکھو چاہو جو اپنا بھلا
مثل سچ ہے یہ "با ادب بانصیب"

خدا کی ثنا

ہو آغاز میں کیوں نہ اُس کا ہی نام
کیا جس نے پیدا زباں پر کلام

وہ بخشندہ ہے اور وہ دست گیر
وہ ہے مہرباں اور پوزش پزیر

عبادت سے جو اُس کی درماندہ ہے
وہ بے چارہ ہے، خوار ہے راندہ ہے

جہاں کے شہنشاہ گردن فراز
سبھی لاتے ہیں اُس کے در پر نیاز

وہ انصاف والا نہیں زُود گیر
سمجھتا نہیں عاصیوں کو حقیر

کسی کی بدی پر ہو ناخوش اگر
گنہ کرتا ہے عذر پر درگزر

اگر باپ سے کوئی اپنے لڑے
تو کرتا بَدَر گھر سے ہے باپ اُسے

نہیں کوئی راضی اگر خویش سے
تو رکھتا نہیں پاس اپنے اُسے

نہ چاکر کوئی گر کرے نوکری
سراسر یہ آقا کی ہے ناخوشی

نہیں دوستوں کا جو اپنے شفیق
تو رہتے ہیں دُور اُس سے کوسوں رفیق

سپاہی اگر چھوڑ دے نوکری
تو سردار ہوتا ہے اُس سے بری

زمیں آسماں کا مگر ہے جو رب
نہیں عاصیوں پر یہ کرتا غضب

کبھی رزق وہ چھین لیتا نہیں
کبھی ایسا آزار دیتا نہیں

ہے کونین گو علم کی اُس کے بُوند
گناہوں سے لیتا ہے وہ آنکھ مُوند

کسی کا زمانے میں ہے ایسا حلم
پھر اُس پر کہ رکھتا ہے ہر شے کا علم

زمیں خوان ہے اُس کی نعمت کا عام
کہ ہے دوست دشمن کا جس پر قیام

جفا جُو پہ وہ قہر لائے اگر
کسی کو نہ زنہار ہو پھر مَفر

نہ وہ متّہم ضد سے یا جنس سے
نہ چاہے وہ کچھ جن سے یا اِنس سے

حقوق محفوظ

از بسمل انصاری

مصنف سلیس نظمیں، دل چسپ نظمیں، بچوں کے کام، بچیوں کے کام، گلدستہ وغیرہ وغیرہ

١٣٤٩ھ
١٩٣١ء

بار اول — مطبوعہ مطبع رحیمی اصطبل اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳ طابع غلام خدا بخش — قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول

پرستار اس کے یہاں ہیں سبھی
مگس نمل طَیر اور کُل آدمی

وسیع اتنی اُس کی بچھی ہے بساط
یہاں سے ہے تا قاف اُس کی رُباط

وہی ہے لطیف اور ہے وہ کریم
وہ دُنیا کا رکھوالا ہے اور علیم

سزاوار ہے کبریائی کا وہ،
کہ مالک ہے ساری خدائی کا وہ

غنی ذات ہے، مُلک اُس کا قدیم
گنہ گار ہم۔ وہ غفورٌ رحیم

فقیروں کو دیتا وہی تاج ہے
امیروں سے لیتا وہی باج ہے

سعادت کا پہنے کوئی تاج ہے
کوئی دانے دانے کو محتاج ہے

کسی کو ملی آگ سے مخلصی
جو حالت ہوئی تھی براہیم کی

جہنّم میں پایا کسی نے مقام
وہ تھا حکم اس کا یہ تھا اُس کا کام

گنہ لاکھ پردوں میں کوئی کرے
نہ زنہار اس سے رہیں گے چھُپے

نہیں اُس کے غصّے کو آتا ہے جوش
کہ ستّار وہ اور ہے پردہ پوش

غضب میں جو آئے کہیں اُس کا جوش
تو ہوں ڈر کے مارے فرشتے خموش

اگر آئے اُس کے کرم کی صدا
تو شیطان تک سمجھے اب میں بچا

یہاں کِبر کی شاخ پھلتی نہیں
بڑائی کسی کی بھی چلتی نہیں

وہ رحمت کے جو اُس سے ہیں ملتجی
پسند اُس کو بھی اُن کی ہے عاجزی

وہ عالِم کہ نابودہ پر ہے نظر
وہ ماہر کہ اسرار کی ہے خبر

زمیں آسماں سے وہ لیتا ہے باج
قیامت میں بھی ہوگا اُس کا ہی راج

مطیع اُس کے سب ہیں جواں ہو کہ پیر
کوئی کیا مجال اُس کا ہو حرف گیر

جہاں میں ہے سب کا سہارا وہی
خدا ہے ہمارا تمھارا وہی

(بوستان)

پروردگار

سنسار ہے تیرا سارا   کیوں ہم کو نہ ہو تو پیارا
رب کہ کے تجھی کو پکارا   ہے مالک تو ہی ہمارا
ہے تو ہی پالن ہارا

اکبر ہیں تجھی کو کہتے   برتر ہیں تجھی کو کہتے
ہَر ہَر ہیں تجھی کو کہتے   سرور ہیں تجھی کو کہتے
ہے تو ہی پالن ہارا

تُو بھید سبھی کے جانے   بھولے ہوں یا ہوں سیانے
کہتے ہیں ترے افسانے   گاتے ہیں سب یہ ترانے
ہے تو ہی پالن ہارا

ہو پربَت یا ہو رائی   ہر شے ہے تونے بنائی
دُنیا ہے تونے سجائی   ہے تیری سب یہ خدائی
ہے تو ہی پالن ہارا

کرتار! یہ سب تیرا ہے   دادار! یہ سب تیرا ہے
گھربار یہ سب تیرا ہے   سنسار یہ سب تیرا ہے
ہے تو ہی پالن ہارا

ہوا گر ایک بھی شریر کہیں   اُس کے شر سے ہمیں بچائے خدا
اور اگر دو ملیں کہیں ایسے   پھر وہاں سے تو بھاگنا ہی بھلا
جب چلے گی ہوا بھی آگ کے ساتھ   کہیئے نقصان کس قدر ہوگا؟

(ہندی سے)

خدا سے دعا

شکر اللہ کا کرو بھائی — رات کل کی بخیریت گزری
اب کرو طاعت اُس خدا کی ادا — جس نے آرام سے تمھیں رکھا
شکر جب اُس کا تم ادا کرلو — پھر یہ تم سر جھکا کے اُس سے کہو
اے خدا جیسے رات ہے گزری — دن بھی تو کاٹ دے مرا یُونہی
مجھ کو ہر دُکھ سے تو بچا لینا — مجھ کو توفیق بس یہی دینا
میں محبّت کروں تو تجھ سے کروں — میں اگر دم بھروں تو تیرا بھروں
اے خدا تو ہے آسرا میرا — مہرباں سب سے ہے سوا میرا
مجھ کو دے اے خدا تو ایسا دل — جس سے راضی ہو ہر کسی کا دل
میرے ماں باپ جو ہیں میرے شفیق — اے خدا مجھ کو تو یہ دے توفیق
اُن کی خدمت کو سمجھوں اپنا فرض — سب سے بڑھ کر یہی ہو میرا فرض

میرے اُستادون کی حفاظت کر
دوستون کی مرے حمایت کر

دِھیان جس بات کا تجھے اب ہے — کرتا اس طرح پہلے تُو جو خیال
خوش نہ ہوتے کبھی ترے دشمن — اور تجھ کو نہ ہوتا کوئی ملال

+

کیسے معلوم ہو سکے خصلت — تا نہ کوئی کسی کے ساتھ بسے
سونا پیتل ہو کس طرح معلوم — کوئی جب تک کہ آگ پر نہ کسے

+

سونا چاندی جو ملتے ہیں مہنگے — لوگ لیتے ہیں اُن کو دے کر دام
بس کہ قیمت سے بے نیاز ہے وہ — کوئی لیتا نہیں خدا کا نام

شب کی دعا

بھائیو! وقت ہے یہ سونے کا — کریں آرام آؤ۔ پڑھ کے عشا
پھر ہم اللہ سے دعا مانگیں — اور جو کچھ ہے مانگنا مانگیں
میری ماں کو خدا سلامت رکھ — میرے ابّا کو باکرامت رکھ
دونوں پائیں یہ زندگی اتنی — کروں خدمت میں عمر بھر اُن کی
مجھ سے جتنی اُنھیں محبّت ہو — اتنی منظور مجھ کو عزّت ہو
دونوں مجھ سے رہیں اگر راضی — ہوگا پھر تو بھی دادگر راضی
تجھ سے یہ التجا ہے بندہ نواز — ہو مِرے بھائیوں کی عمر دراز
شوق دے تو اُنھیں کہ علم پڑھیں — پائیں عزّت بھی مرتبے بھی بڑھیں
مجھ سے پیش آتی ہیں محبّت سے — میری بہنوں کو رکھ تو عزّت سے
اے خدا جو رفیق ہیں میرے — شوق تو علم کا اُنھیں بھی دے
یہ دُعا تجھ سے ہے۔ مِرے اُستاد — پائیں اپنی مُراد اور رہیں شاد
تجھ سے اپنے لئے میں کیا مانگوں — بجز اِس کے کہ یہ دعا مانگوں

میری دُنیا بھلی ہو اچھا دین
مُسکرا کر یہ بولی ماں "آمین"

پُوچھا یہ اِک حکیم سے میں نے — مجھ کو کھانے کا وقت دیجے بتا
یہ سُنا جب حکیم صاحب نے — ہنس کے اِس طرح مجھ سے فرمایا
چاہیے کھانے کو جب امیر کا جی — اُس کو اُس وقت چاہیے کھانا
اور میسّر غریب کو جب ہو — ہے وہی وقت اُس کے کھانے کا

خدا کا شکر

جب میں ہوں جاتا سیر کو باہر — دیکھتا ہوں یہ منظر اکثر
کوئی کہیں ہے بیٹھا روتا — بھُوک سے ہے جان اپنی کھوتا
میرا پیٹ بھرا ہے پُورا — کیوں نہ کروں میں شکر خدا کا
ایسے بھی ہیں سینکڑوں بچّے — جو ہیں سڑک پر ننگے پھرتے
کپڑے بچارے لائیں کہاں سے — جن سے چھُپائیں جسم وہ اپنے
کانپتے ہیں سردی کے مارے — سب وہ ٹھٹھرتے ہیں بے چارے
تاپتے ہیں وہ آگ کے آگے — گرم ہوئے اور اُٹھ کے بھاگے
کام پر اُن کو اپنے ہے جانا — ورنہ کہاں سے پائیں کھانا
کوئی ذرا اب مجھ کو دیکھے — دُہرے دُہرے کپڑے ہوں پہنے
پھر بھی تھر تھر کانپ رہا ہوں — سی سی کر کے ہانپ رہا ہوں
بہت سے ایسے ہیں بے چارے — کوئی نہیں گھر پاس ہے جن کے
سردی میں سوتے ہیں باہر — اکثر مرتے بھی ہیں ٹھٹھر کر
کیسا تکیہ، کیسا بچھونا — مرنا سمجھو اُن کا سونا
مجھ کو خدا نے ہے دے رکھّا — نرم لحاف اور گرم بچھونا

کیوں نہ کروں میں شکر خدا کا
جس نے مجھے آرام سے رکھّا

(راز عزیزی)

گزرا ہے جو دن اس کو کبھی یاد نہ کر — جو آئے گا روز اس کی تو فریاد نہ کر
جو آئے گا یا گیا ہے اس کو جا بھول — جو وقت ملے آج وہ برباد نہ کر

خدا سے التجا

مین نہیین جانتا بڑا ہو کر — زندگی چین سے یہ ہوگی بسر
یا مصیبت کا سامنا ہو گا — کون جانے لکھا نصیبون کا
لیکن اس وقت ہے کوئی ترکیب — جس کے باعث مجھے خوشی ہو نصیب
چاہتا ہوں میں خوش اگر رہنا — تو سُنوں امّاں جان کا کہنا
اور ابّا کے ہر اشارے کو — مان لوں دل سے، چاہے کچھ بھی ہو
میں موافق بساط کے اپنی — کروں خدمت جو ہو سکے، سب کی
سب کی خدمت جو ہو ادا مجھ سے — کیوں نہ راضی رہے خدا مجھ سے
کیوں طبیعت نہ شاد ہو میری — کیوں نہ پُوری مُراد ہو میری
خوف ایسا ہو جھوٹ سے مجھ کو — سانپ سے جیسے کوئی ڈرتا ہو
رکھے میرا خدا جو پاک مجھے — کس لئے ہو کسی سے باک مجھے
اپنا ہر فرض میں ادا جو کرون — اپنا ہر قرض میں ادا جو کروں
خوش ہوں سب میری خوش بیانی سے — مجھ سے پیش آئیں مہربانی سے
عمر ہے گو ابھی مِری کچّی — مجھ سے ہر بات ہو اگر سچّی
عمر گزرے نہ کیوں مسرّت مین — کیوں نہ حق کی رہوں حمایت میں
مدرسہ پھر وہ ہو، کہ میرا مکاں — خواہ وہ کھیلنے کا ہو میداں
میرا مطلب یہ ہے جہاں میں رہوں — اپنی نیکی سے شادماں میں رہوں

مجھ کو نیکی کی دے خدا توفیق
نیک کاموں میں ہو مِرا وہ رفیق

(رنگینی)

خدا سب دیکھتا ہے

وہ ہو میدان یا کوئی ڈیرا   شام کا وقت ہو یا سویرا
وہ اُجالا ہو، یا ہو اندھیرا   یعنی ہر وقت، ہر کام میرا
دیکھتا ہے خدا آسماں سے

دل میں آئی ہے میرے یہ اکثر   چھُپ کے احمد کو اِک ماروں پتھّر
کون الزام رکھّے گا مجھ پر   دھیان آتے ہی ٹھہرا ہیں ڈر کر
دیکھتا ہے خدا آسمان سے

کیوں کروں شکر اس کا نہ بھائی   مجھ کو اتنی سمجھ تو اب آئی
گندگی میں کروں یا صفائی   میں بُرائی کروں یا بھلائی
دیکھتا ہے خدا آسماں سے

خدا سے عرض

یہی تجھ سے ہے اب دعا اے خدا   گناہوں سے ہم کو بچا اے خدا
وہ بندے کہ جن پر ہے تو مہرباں   ہمیں اُن کا رستا دکھا اے خدا
سوا تیرے ہم کس سے مانگیں مدد   تو ہی اپنا ہے آسرا اے خدا
غریبوں کا تیرے سوا کون ہے   کریں کس سے ہم التجا اے خدا
وطن کی ہو خدمت کا ہم کو خیال   ہمیں کر وہ ہمت عطا اے خدا
یہ ہے عرض تو ایسی توفیق دے   کریں قوم کا ہم بھلا اے خدا

بھلا دین کا اور دُنیا کی خیر
سوا اِس کے ہم مانگیں کیا اے خدا

مناجات

غنیمت گنو زندگی اپنی اور — ذرا پھر کرو حال پر اپنے غور
ذرا عقل اور فکر سے تم لو کام — سُنا کیا نہیں یہ حسن کا کلام
"سدا دَورِ دَوراں دکھاتا نہیں — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"
خدا سے کرو سچّے دل سے دعا — کہ نعمت ہے جو وقت تم کو مِلا
نہیں بعد مرنے کے چلنے کا زور — دعا پھر کہاں اور کہاں تنگ گور
رہیں گے نہ یہ ہاتھ پھر کام کے — کہ کل ہوں گے مٹّی کے نیچے دبے
نہیں دیکھتے تم خزاں میں درخت — ہوا کرتے ہیں لنڈ مُنڈا اور سخت
وہ کرتے ہیں جب ہاتھ خالی دراز — تو دیتا ہے برگ اور گل بے نیاز
کیا ہم نے بھی تجربہ بارہا — کہ جو جس نے مانگا ہے اُس کو ملا
یقیں مانو تم ہو اگر ہوش مند — نہیں اس کا دروازہ ہوتا ہے بند
"اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار — نہ ہو اُس سے مایوس اُمیدوار"
نہیں پھیرتا اُس کو خالی خدا — جو بندہ کہ ہے اُس سے کچھ مانگتا
یقیں اُس کا مانو جو تم ہو سعید — بہت اس کی رحمت سے ہے یہ بعید
کہ مایوس بندے کو واپس کرے — خزانے سے اپنے نہ دے کچھ اُسے
تو آؤ ذرا صبح کا وقت ہے — دعا کا کریں مرحلہ ہم بھی طے
خدایا تو اب کر کرم کی نگاہ — بہت اب تو ہے اپنی حالت تباہ
بہت اپنی حالت ہے اب تو سقیم — خطا بخش دے اے غفورٌ رحیم
بھروسے پہ رحمت کے اے کردگار — گنہ تیرے کرتا تھا یہ خاکسار

کہاں تیرے در کے سوا جاؤں اب ۔۔۔ کہ روزی رساں تو ہے، تو ہی ہے رب
کرم کی جو ہے تیرے عادت پڑی ۔۔۔ سمجھتا ہوں میں ہر مصیبت بڑی
جو کہلائے بندہ تِرا۔ بے نیاز! ۔۔۔ اُٹھائے وہ کس طرح غیروں کے ناز
ہمیشہ جسے تو نے رکھا ہو شاد ۔۔۔ پھرے تیرے در سے وہ کیوں نامُراد
رکھا تو نے دُنیا میں ہے سُرخ رُو ۔۔۔ نہ کرنا خجِل مجھ کو عُقبیٰ میں تُو
تو ہی دینے والا ہے ذلّت کا بھی ۔۔۔ تو ہی لینے والا ہے عزّت کا بھی
رکھے جس کو عزّت سے تو کردگار ۔۔۔ کسی کو بھلا ہے یہ کیا اختیار
کہ دنیا میں اس کو کرے وہ ذلیل ۔۔۔ کہیں خوار ہوتا ہے تیرا خلیل
قسم اپنی عزّت کی یارب تجھے ۔۔۔ گنہ کی مجھے شرم ساری نہ دے
مجھ ایسا جو دنیا میں ہو، اے خدا ۔۔۔ نہ تو اس کو سردار میرا بنا
نہیں ہے مجھے اس کی عزّت قبول ۔۔۔ مجھے تیرے ہاتھوں ہے ذلّت قبول
جو اپنا سا ہو، اس کی محکومیاں ۔۔۔ کہوں اب میں کیا۔ الاماں! الاماں!!
میں شرمندہ ہوں یا بنوں سُرخ رُو ۔۔۔ مجھے رکھ، فقط اپنا محتاج تُو
مِرے سر پہ تیرا جو سایہ رہے ۔۔۔ فرو تر فلک کا بھی پایہ رہے
دُعا ہے یہ تجھ سے کہ اے بے نیاز ۔۔۔ رکھا خلق میں جس طرح سرفراز
کسی در پہ بھی جِبہ سائی نہ کی ۔۔۔ بدی سے بچا، گو بھلائی نہ کی

اسی طرح عقبیٰ بھی میری بنا
نہیں چاہتا کچھ میں اِس کے سوا

"دل چسپ نظمیں" ضرور پڑھو۔ خوش ہو جاؤ گے۔ قیمت صرف دو آنے

دیوانے کی دعا

لرزتا ہے سارا مرا تن بدن — یہ دیوانے کے یاد کرکے سخن
حرم میں یہ کہتا تھا وہ بار بار — کہ اے میرے رب! میرے آمرزگار
میں بندہ ہوں تیرا تو ہی لاج رکھ — کسی کا نہ تو مجھ کو محتاج رکھ
نہ یارب تو اِس طرح مجھ کو گرا — کہ باقی نہ میرا رہے آسرا
تو واقف ہے میں نفس کا ہوں غلام — گنہ گار ہوں سر سے پا تک تمام
بنا ہے یہ بدنفس وہ بے لگام — یہ طاقت خرد میں کہاں لے جو تھام
کہاں اتنی طاقت کسی میں بھلا — کرے سامنا جو وہ شیطان کا
سبھی کو ہے کرتا یہ حیران نفس — ہے انساں کا دنیا میں شیطان نفس
یہ چیونٹی کا کیا حوصلہ ہے بھلا — کرے بھیڑیے کا جو وہ سامنا
نہ بھٹکے جو ہوں تجھ کو ان کی قسم — کہ کر مجھ سے گُم راہ پر تو کرم
مجھے دے تو ان دشمنوں سے پناہ — وہی مجھ کو دکھلا جو سیدھی ہو راہ
نہیں کوئی دنیا میں ثانی ترا — قسم ہے خدائی کی تجھ کو خدا
پیمبرؐ کی یارب قسم ہے تجھے — ہماری ملی پیشوائی جسے
ترے واسطے جو لڑے ایسے مرد — تری راہ میں جو گرے ایسے مرد
زمانے میں جن کا کہ روشن ہے نام — خوشی سے جنھوں نے کئے تیرے کام
اُنھیں کی ہے تجھ کو خدایا قسم — عبادت سے جن کی ہوئی پیٹھ خم
تری راہ میں جو مرے وہ جواں — نہ رکھی جنھوں نے عزیز اپنی جاں
اُنھیں کا تجھے واسطہ اے خدا — دوئی کے گنہ سے مجھے تو بچا

۷۵۶

دبستان

گزارش

اس تصنیف یا تالیف کے متعلق کچھ لکھنا ایک فضول سی بات ہے، جس کے لکھنے میں اتنا وقت بھی نہ لگا ہو جتنا اس کے نقل کرنے میں کاتب صاحب یا چھاپنے میں مطبع والوں کا صرف ہوا ہے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جن کا لکھنا ازبس ضروری ہے۔

"سلیس نظمیں" ۱۹۲۸ء میں چھپیں، اول تو وہ کسی کو بھیجی ہی نہیں گئیں لیکن جن علم دوست اصحاب نے دیکھا، انھوں نے ان کو پسند فرمایا، اور میرا دل بڑھایا۔ بعض کرم فرماؤں کی کوشش سے بمبئی کے ابتدائی مدارس میں انعامی کتب کے طور پر بھی ان کی منظوری ہو گئی۔ ادوھ پنچ، مبصر، زمانہ، مدینہ، راستی اور جن اخبارات کی خدمت میں یہ نظمیں بھیجی گئیں انھوں نے اچھے الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا خصوصاً محترمی مولانا عبدالحق صاحب بی-اے نے تو "اردو" میں اس انداز سے میرا دل بڑھایا کہ مجبوراً یہ سلسلہ مجھے جاری رکھنا پڑا۔ جہاں سارا وقت بے کاری میں گزرتا ہے وہاں دو ہفتوں کی مشغولی ہی سہی۔

ان نظموں کے لکھنے میں جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، فارسی اور انگریزی سے بے حد مدد لی گئی ہے۔ ہندی کتابیں بہت دیر میں ملیں، گجراتی سے زیادہ مدد لینے کو جی نہ چاہا اور مرہٹی کتابیں تو اُس وقت ہاتھ آئیں کہ یہ رسالہ بالکل مرتب ہو چکا تھا خیر یار زندہ صحبت باقی۔ اگر اس کتاب کو آپ نے پسند کیا تو اس کا دوسرا حصہ بھی لکھ دیا جائے گا۔ پتھر تھوڑا ہی ڈھونے پڑتے ہیں دو ہفتوں کا تو کام ہے۔ اسی سلسلے میں ایک بات اور کہہ دوں کہ جو نظمیں فارسی، انگریزی، ہندی اور گجراتی سے لی گئی ہیں، وہ ان کا ترجمہ نہیں، بلکہ صرف خلاصہ ہیں۔

خدایا! جو ہیں تیرے بندے سعید
مجھے ہے شفاعت کی اُن سے اُمید

تجھے پاک بندوں کی یا رب قسم
اُٹھے راہ میں تیری میرا قدم

مِرے دل میں کچھ خوف آنے نہ پائے
یقیں کا دیا جھلملانے نہ پائے

نہ جو دیکھنے کے ہو لائق اسے
نہ دیکھیں، اِن آنکھوں کو توفیق دے

جو دُنیا میں ہوں ناپسندیدہ کام
اُنھیں دل سے یا رب میں سمجھوں حرام

وہ ناچیز ذرّہ ہوں اے کبریا
محبّت میں تیری ہوا جو فنا

مِری نیستی اور میرا وجود
برابر اندھیرے میں ہے یا ودود

شعاع اِک ترے لطف کی چاہیئے
کرم کی نگہ بس تری چاہیئے

مَیں اس روشنی کے سوا اے خدا
کسی کو نہ ہرگز نظر آؤں گا

گر انصاف سے کام تو نے لیا
ٹھکانا جہنّم میں ہو گا مِرا

میں تجھ سے طلبگار ہوں رحم کا
کہ اچھّی طرح مَیں ہوں یہ جانتا

کروں گا میں پھر کس کے آگے سوال
نہ دے مجھ کو ذلّت نہ در سے نکال

ترے دَر سے کچھ دن جو غائب رہا
خدایا میں یہ خوب تھا جانتا

کہ تو ہے کریم اور تو ہے رحیم
نہ رکھے گا زنہار مجھ کو الیم

بہانہ نہیں عذر لایا ہوں میں
ترے در پہ شرمندہ آیا ہوں میں

غنی تو ہے یا رب میں ہوں اِک فقیر
تو ہو مفلسی میں مرا دست گیر

مجھے ناتوانی کا ہو خوف کیا
نگہبان میرا قوی ہے بڑا

مدد کر۔ کہ دنیا میں ہوں کام نیک
ہو عقبیٰ میں بھی میرا انجام نیک

خدا کے کام

ہر شے جو ہے خوش نُما یہاں کی — وہ جس سے ہے روشنی جہاں کی
پھر کوئی بڑا ہو یا ہو چھوٹا — کم عقل وہ ہو، کہ عقل والا
ہر چیز خدا نے ہے بنائی — ہے اُس کی تمام کبریائی
ہر برگ جو باغ میں ہے ہِلتا — ہر پھول جو ہے چمن میں کِھلتا
گاتا ہے جو ہر پرند گانا — ہر نغمہ ہے جس کا دل لُبھاتا
ان سب کو خُدا نے ہے بنایا — خالق ہے وہی تو ایک سب کا
دُنیا کے پہاڑ اُونچے اُونچے — باتیں جو ہیں آسماں سے کرتے
ان پر سے وہ آبشار گِرنا — آزاد چرندوں کا وہ پھرنا
وہ شام کا دل فریب منظر — وہ صبح کا وقت خوش نُما تر
جنگل کے درخت اونچے اونچے — چڑیوں کے ہیں جن پر آشیانے
وہ سارے مزے مزے کے میوے — لذّت ہے زبان پاتی جن سے
ہے سب کا خدا بنانے والا — ہم کو ہے وہی کِھلانے والا
آنکھیں ہمیں اُس نے دیں کہ جن سے — دیکھیں جو کئے ہیں کام اُس نے
ہے ہم کو زبان اِس لئے دی — گویا رہے حمد میں جو اُس کی

جب تک کہ رہے زبان گویا
کرتی رہے شکر ہی خدا کا

([illegible])

بُرائی ہے کوئی زر میں، نہ خوبی زور میں کوئی — نہ وہ مغرور ہو ہرگز کہ صورت جس کی اچھی ہے
وہی کہلائے گا اچھا کہ جس کے کام اچھے ہیں — وہی ہے خوب دُنیا میں کہ سیرت جس کی اچھی ہے

[illegible]

بچّہ اور صبح

چندا ماموں بھی گھر کو سدھارے جھلملانے لگے اب تو تارے
اُٹھ کے تڑکے ہی مزدور سارے کام پر جا رہے ہیں بچارے
تو بھی اُٹھ بیٹھ اب میرے پیارے

طوطے، مینائیں، چڑیاں، کبُوتر نکلے سب گھونسلوں سے ہیں باہر
بیٹھے ہیں سب یہ تڑکے سے اُٹھ کر اب لگائیں گے دُنیا کے چکّر
تو بھی اُٹھ بیٹھ اب میرے پیارے

دیکھ تو جاگتی ہے ہر اِک شے دیر تک کوئی سوتا ہے اے ہے
دیکھ تو اُٹھ کے تو بج گئے گے مسجدوں میں اذاں ہو رہی ہے
تو بھی اُٹھ بیٹھ اب میرے پیارے

وقت ہے دیکھ کیسا سُہانا دیکھ سبزے کا تو لہلہانا
سُن پرندوں کا تو چہچہانا تجھ سے اِک مرتبہ تو کہا نا!!
تو بھی اُٹھ بیٹھ اب میرے پیارے

اُٹھ کھڑا ہو بس اب میرے شیرا جا کے منہ ہاتھ دھو ڈال بیٹا
ہائیں کیسا ہے تو سُست لڑکا میں جو کہتی ہوں تو نے سُنا کیا؟
تو بھی اُٹھ بیٹھ اب میرے پیارے

کسی نے یہ لقمان سے جا کے پُوچھا بتاؤ تو تم نے ادب کس سے سیکھا
کہا ہوش میں نے سنبھالا ہے جب سے ادب میں نے سیکھا ہے ہر بے ادب سے
کہ جب کام دیکھا کوئی اُس کا بے جا کبھی بھُول کر پاس اُس کے نہ پھٹکا

(سعدی)

ادب کی تعلیم

شب بخیر

دن چُھپا۔ اب وقت آیا شام کا   روشنی بھاگی۔ اندھیرا آگیا
دودھ بھی تو پیٹ بھر کر پی چُکا   لے جُھلاؤں آئیں تیرا پالنا
باپ کی آنکھوں کے تارے شب بخیر
سو جا اے ماں کے دلارے شب بخیر

ٹھنڈی ٹھنڈی ہیں ہوائیں چل رہی   ہاتھ پیروں میں پڑی ہے تھرتھری
اوڑھ لی۔ لے دیکھ چادر میں نے بھی   تو بھی سو جا، میں بھی اب سوجاؤں گی
باپ کی آنکھوں کے تارے شب بخیر
سو جا اے ماں کے دلارے شب بخیر

سو جا۔ سو جا۔ تجھ سے میں کہتی ہوں ہاں   بند کر لے پیاری پیاری انکھڑیاں
سو جا۔ سو جا۔ سو جا اے میرے میاں   سو جا۔ سو جا ہو گئی قربان ماں
باپ کی آنکھوں کے تارے شب بخیر
سو جا اے ماں کے دُلارے شب بخیر

سچ کی تعریف

ہے اِسی میں بھلا، سچ کہو، سچ کہو   جھوٹ سب سے بُرا، سچ کہو، سچ کہو
جو ہے جھوٹا، خدا اُس سے ناراض ہے   سچ سے خوش ہے خدا، سچ کہو، سچ کہو
پیارے بچّو بھلا، اور اِس کے سِوا
ہم کہیں تم سے کیا، سچ کہو، سچ کہو

"دل چسپ نظمیں" ضرور پڑھو اور اپنے دوستوں سے بھی سپارش کرو قیمت ۲ر

۷۰

آرام کرو

چل اے باپ کے پیارے، ماں کے دُلارے تو آ۔ اے بڑھاپے کے میرے سہارے
تجھے دیر سے میں بُلاتی ہوں آ رے ہوئی شام۔ سورج چھپا۔ نکلے تارے

بس اب تو بھی آرام کر۔ میرے پیارے

اِدھر آ۔ تجھے پالنے میں سُلاؤں میں خود بیٹھ کر تیرا جھولا جھلاؤں
سُلالوں تجھے تو میں خود سونے جاؤں اِدھر آ۔ تجھے ایک لوری سُناؤں

بس اب تو بھی آرام کر میرے پیارے

کبوتر بھی کابک میں ہیں جا کے بیٹھے تھکے ماندے تھے سارے دن کے بچارے
نہیں کرتے چیں چیں بھی اب اُن کے بچّے اسی واسطے میں یہ کہتی ہوں تجھ سے

بس اب تو بھی آرام کر میرے پیارے

ارے تو نے اچکن نہ اب تک اُتاری لے اب رکھ بھی دے کھیل کی یہ پٹاری
لے اب بند کر انکھڑیاں پیاری پیاری لے اب میں بُلاتی ہوں نِندیا کو واری

بس اب تو بھی آرام کر میرے پیارے

سُنا اور کچھ تو نے مرغا بھی تیرا ہے آرام سے اپنے ٹاپے میں سوتا
ارے تو نے مٹھو کا دیکھا تماشا جُھکائے ہوئے کیسی بیٹھا ہے مُنڈیا

بس اب تو بھی آرام کر میرے پیارے

اری پیاری نِندیا تو آنکھوں میں آجا تجھے یاد کرتا ہے یہ میرا ننّھا
اری تجھ سے میں کب سے کہتی ہوں آ آ یہ چُپکے سے کہنا اُسے جھل کے پنکھا

بس اب تو بھی آرام کر میرے پیارے

عقل کی خوبیاں

شکر ہو کس طرح خدا کا ادا — جس نے انسان کو کیا پیدا
جتنے پیدا کئے یہاں جان دار — سب کا انسان کو کیا سردار
یہی انسان کی بڑائی ہے، — عقل اس نے خدا سے پائی ہے
عقل اس کو نہ گر خدا دیتا — اِس میں اور جانور میں فرق تھا کیا
کیسے ہوتا سوار ہاتھی پر — عقل انسان میں نہ ہوتی اگر
شیر، چیتے کو کیا پکڑ سکتا — ان کو زنجیروں میں جکڑ سکتا
ریل، انجن کہیں بنا سکتا — برق قابو میں اپنے لا سکتا
گولا، بارود کیا بنا سکتا — کیا درِندوں کو یہ ڈرا سکتا
صاف پانی سے کیا گزر سکتا — بحر قبضے میں اپنے کر سکتا
خوبیاں عقل کی ہی ساری ہیں — جس سے یہ طاقتیں ہماری ہیں
سب یہاں انتظام اِس کے ہیں — یہ کرشمے تمام اِس کے ہیں

کیسے ہو شکر اُس خدا کا ادا
عقل کی جس نے آدمی کو عطا

یاد رکھ جو دوست ہو تیرا بُرا — سانپ سے بدتر اُسے تُو جاننا
سانپ تو لاتا ہے آفت جان پر — اور یہ حملہ کرتا ہے ایمان پر

جاڑا گرمی ہو یا ہو وہ برسات — ہر زمانہ گزر ہی جائے گا
"تو بسر کر لے روکھی روٹی پر" — پیٹ کو اپنے میں ہوں سمجھاتا
کرنا لیکن نہ نوکری ہرگز — تو بھلا چاہتا ہے گر اپنا"

لوری

آنکھوں کے تارے سو جا　اے دل کے سہارے سو جا
امّاں کے دُلارے سو جا　اے لال ہمارے سو جا

اے چندا پیارے سو جا

لوں تیری بلائیں چٹ چٹ　اب کر نہ زیادہ پٹ پٹ
بند اپنی کر دے کھٹ کھٹ　آجا ری نندیا جھٹ پٹ

اے چندا پیارے سو جا

سوتے ہیں گھر میں سب ہی　سوتی ہے تیری مرغی
سوتی ہے تیری بلّی　لے بیٹا سو جا تو بھی

اے چندا پیارے سو جا

پائی بھی تو نے مٹھائی　اور خوب مزے سے کھائی
لے رات بہت اب آئی　لے سو جا میرے بھائی

اے چندا پیارے سو جا

جھُولا ہوں تیرا جھُلاتی　کب سے ہوں تجھ کو سُلاتی
میں بھی ہوں نیند کی ماتی　میں بھی ہوں سونے جاتی

اے چندا پیارے سو جا

اب سو جا اے میری جاں　اب سو جا تیرے قرباں
اب سو جا صدقے یہ ماں　اب سو جا آں آں - آں - آں آں

اب چندا پیارے سو جا

بچپن کا زمانہ

نہ ساتھی یہ ہوں گے۔ نہ یہ دوستانہ نہ ہر بات میں کھیلنے کا بہانہ
یہ باتیں سب اِک روز ہوں گی فسانہ نہ پھر کس لئے گائیں ہم یہ ترانہ
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

کسی بات کی ہے شکایت، نہ غم ہے عنایت ہے ماں کی، پدر کا کرم ہے
کریں جس قدر شکر اُس کا وہ کم ہے ترانہ ہمارا یہی دم بہ دم ہے
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

یہ ہے کام لے دے کے اسکول جانا وہاں سے جو چھٹّی ملے تو گھر آنا
یہاں آکے پھر کھیلنا اور کھانا ہمیشہ نہ کیوں گائیں ہم پھر یہ گانا
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

کہیں بھُول سکتا ہے تعلیم پانا وہ اُستاد کا ہم کو آکر سکھانا
نہ جو آئے آہستگی سے بتانا ہمیں خود ہی پڑھ کر یہ اس کا سُنانا
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

ہمارا وہ اسکول سے گھر کو آنا جو ساتھ اپنے کھیلیں اُنھیں پھر بُلانا
وہ بس بے دھڑک خاک میں بیٹھ جانا سبھی کا یہ مِل جُل کے پھر گیت گانا
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

نہ سمجھیں یہ عشرت، نہ سمجھیں تباہی انھیں کو سزاوار بے شک ہے شاہی
نہ کیوں زیب دے ان کو پھر کج کلاہی دُعا ہے کہ یہ خوش رہیں سب الٰہی
سلامت رہے۔ بچپنے کا زمانہ

بچپن کی یاد

یاد ہے مجھ کو۔ یاد ہے مجھ کو ۔ وہ مکاں، میں جہاں ہوا پیدا
یاد ہے، ہاں اسی دریچے سے ۔ میرے کمرے میں آفتاب آتا
نہ تو آتا وہ لمحہ بھر پہلے ۔ اور نہ زنہار دیر میں چھُپتا
یاد ہے مجھ کو۔ یاد ہے مجھ کو ۔ خوب صورت گلاب کا گملا
وہ بنفشہ کے اور کنول کے پھُول ۔ جن سے میرا دماغ تر رہتا
ہاں وہی تو درخت نیم کا ہے ۔ میرے بھائی نے جس کو بویا تھا
اس کے نیچے نشست تھی اس کی ۔ اور پھُد کی کا جھونجھ اوپر تھا
یاد ہے مجھ کو۔ یاد ہے مجھ کو ۔ میں جہاں پر تھا جھُولتا جھُولا
روح تھی میری اِس قدر ہلکی ۔ اُڑنے والوں میں اس کو میں سمجھا
اب نہیں ایسی وہ سُبک پرواز ۔ نہیں معلوم ہو گیا اُسے کیا
یاد ہے مجھ کو۔ یاد ہے مجھ کو ۔ وہ صنوبر کا ایک درخت اُونچا
ایسی چوٹی بلند تھی اس کی ۔ جیسے وہ آسمان چھُولے گا
یہ جہالت تھی میری طفلی کی ۔ اور اب تو میں ہو گیا ہوں بڑا
اب تو آتا بھی یہ خیال نہیں ۔ کہ وہ اونچا ہے، یا ہے وہ نیچا
اب تو افسوس بڑھ گیا کچھ اور ۔ عمر کے ساتھ سلسلہ غم کا
مجھ کو ہوتا ہے اب تو یہ احساس ۔ دُور جنّت کا ہو گیا رستا

مرتے دم تک رہے گا یہ احساس
اب نہ آئے گا وقت پھر ایسا

(انگریزی سے)

بچپن کی کہانی

سنو تم میرے بچپن کی کہانی
کچھ اپنی اور کچھ اوروں کی زبانی

سنو پہلے تو باتیں بچپنے کی
نہ جب مجھ میں ذرا سی بھی سمجھ تھی

پڑا رہتا تھا میں جھولے په دن رات
بہت ہوتی مری خاطر مدارات

میں سنتا ہوں یہی دن رات ہوتا
میں روتا۔ دودھ پیتا اور سوتا

کبھی تو گود میں لیتی کھلائی
کبھی آکر پلاتی دودھ دائی

بہن بھائی

بہن کہتی تھی مجھ کو منّا بھائی
ادھر دیکھا مجھے بس مسکرائی

مرے بھائی بھی میرے پاس آتے
مگر سنتا ہوں وہ مجھ کو ستاتے

گھرک دیتی تھیں امّاں جان اُن کو
چلو جاؤ نہ بچّے کو ستاؤ

بہن کو کچھ مگر کہتیں نہ امّاں
لئے مجھ کو کیا کرتی وہ آں آں

نہ بھائی کی مگر ایسی تھی حالت
مجھے ملتی نہ اُن کے پاس راحت

مرا رونا بھلا لگتا تھا اُن کو
بسورائیں، کہ وہ کہتے تھے او ہو

بڑے بھائی سے کہتے منجھلے بھائی
کہ صورت اس نے ہے کیسی بنائی

بہت امّاں خفا ہوتی تھیں ان پر
چلو، کھیلو یہاں سے دُور جا کر

ہنسنا اور رونا

کبھی سنتا ہوں میں ایسا بھی ہوتا
میں سوتے ہی میں ہنستا اور روتا

یہ جب ہوتا تو گھر کے لوگ کہتے
کہ کھیلا کرتے ہیں اس سے فرشتے

فرشتوں کی بولی

وہ جب کہتے ہیں یہ بچّے سے آکر
سنا بھی کچھ تری امّاں گئی مر

تو آجاتا ہے بس بچّے کو رونا
مصیبت ہے بہت ماں کا نہ ہونا

مگر جب پھر فرشتہ ہے یہ کہتا
نہ رو بچّے تری ماں آئی آ ہا

سلیس نظمیں اس کتاب میں قریب قریب سب لے لی گئی ہیں اور جو چھوڑ دی گئی ہیں اُن کی داستان الم ناک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظمیں ۱۹۱۶ء میں لکھی گئی تھیں، وہ جن کے پاس تھیں انھوں نے ان کا اپنی دانست میں بہت اچھا استعمال کیا کہ ان میں سے کچھ اپنے نام سے "پھول" (لاہور) اور "سعید" (کانپور) میں چھپوا دیں۔ استادی ڈمٹکر صاحب مدظلہ نے جب انھیں چھپوانا چاہا، تو میں نے جن کے پاس وہ نظمیں تھیں اُن سے واپس لیں، نہ گن کر وہ دی تھیں، نہ گن کر لیں۔ سلیس نظمیں چھپ گئیں، بات گئی گزری ہو گئی۔ لیکن ان میں سے بدقسمتی سے بعض (سب نہیں) ان نظموں کے مسودے بھی تھے جو پھول اور سعید میں چھپ چکی تھیں وہ بھی سلیس نظموں میں آگئیں۔ کاش مجھے پہلے سے اطلاع ہوتی تو اس اندوہ ناک خلاصے کی ضرورت نہ پڑتی جو نظمیں اس طرح چھپی ہیں اُن کے اشعار کی تعداد ڈھائی تین سو سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور اگر سب بھی چلی جاتیں، تو کوئی پروا نہ تھی کیوں کہ عُرفی کے الفاظ میں "ناگفتہ بجاست" یعنی بے کہا میرے پاس موجود ہے۔ اب میں اعلان کرتا ہوں کہ اس رسالے کی نظموں کے علاوہ پھول، سعید یا کسی اور اخبار میں جو اخلاقی نظمیں چھپی ہوں اُن پر میرا کوئی حق نہیں!!

بس، اب تو اس سے زیادہ مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس کتاب کے متعلق میرے بزرگوں اور اُردو زبان کے مالکوں نے میری جو حوصلہ افزائی فرمائی ہے ان کا شکریہ ادا کرنے کی میں اس لئے ضرورت نہیں سمجھتا کہ ایسا کرنے میں ایک قسم کی غیریت پائی جاتی ہے۔ یہ آرا تاریخ وار ترتیب دی گئی ہیں

۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء
الادیا بلڈنگ۔ تاردیو
بمبئی نمبر ۷

راقم خادم آثم
ناظم انصاری

یہ مژدہ جب فرشتہ ہے سناتا — تو سوتے میں ہے بچہ مسکراتا
تو اب آپ یہ پوچھیں جو مجھ سے — "فرشتے کس زباں میں بات کرتے
وہ کیونکر کھیلتے تھے آپ کے ساتھ" — کہوں گا رکھ کے بس کانوں پہ میں ہاتھ
نہیں ہے یاد مجھ کو کچھ بھی حاشا — فرشتوں نے کہا کیا اور سنا کیا؟
میں اپنی کہہ نہیں سکتا ہوں کیا تھا — تو پھر کس طرح اوروں کی سمجھتا
کبھی چڑیوں کی چوں چوں میں نہ سمجھا — کبوتر کی غٹر غوں میں نہ سمجھا
کبھی بکری کی میں میں میں نہ سمجھا — میاں مٹھو کی ٹیں ٹیں میں نہ سمجھا
نہ میں اپنی پرائی بات سمجھا — نہ دن سمجھا نہ ہرگز رات سمجھا
سمجھتا اب تو ہوں ٹھٹّھے کے معنے — نہ سمجھا اب بھی میں غٹّے کے معنے
حقیقت کیوں نہ اپنی سب میں کہہ دوں — میں کیا جانوں کہ ہوتا کیا ہے آغوں
بھلا اپنی تو میں تم سے کہوں کیا — نہ امّاں اس کو سمجھیں اور نہ ابّا
ابھی ہے ذکر کل کا میں نے پوچھا — کہ امّاں جان کیا ہوتا ہے غٹّا
لگیں کہنے کہ میں کیا جانوں بھائی — بتائے گی تجھے تیری کھلائی
کھلائی سے جو پوچھا تو وہ بولی — کہ "اے بیٹا یہ ہے بچوں کی بولی"
کہا میں نے ہیں آغوں کس کو کہتے — تو کہتی کیا ہے "جانیں یہ فرشتے"
کہا میں نے "وہ رہتے ہیں کہاں پر" — لگی کہنے کہ "بیٹا آسماں پر"
کہو اب آسماں پر کیسے جاؤں — فرشتوں سے جو آغوں پوچھ آؤں
یہ پوچھا میں نے اک دن ماسٹر سے — کہ جو آتے ہیں بھائی کو پڑھانے
بھلا فرمائیے یہ آپ مجھ سے — مجھے بتلائیے آغوں کے معنے

میں امّاں جان سے بھی پُوچھ آیا
کھلائی نے نہ کچھ مجھ کو بتایا

کہا سُن کر یہ مجھ سے ماسٹر نے
"ہمیں فرصت نہیں اِس وقت بیٹے

تمھارے بھائی کو ہم ہیں پڑھاتے
بتائیں گے تمھیں پُوچھو چچا سے"

وہاں سے میں چچا کے پاس آیا
یہ پُوچھا اُن سے "آغوں ہے بھلا کیا"

ہنسے پہلے بہت اور پھر یہ بولے
کہ اچھا دو ہمیں اِک پیار پہلے

نہ کیوں میں اُن کے آگے گال دھرتا
مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

لگے کہنے وہ چٹ سے پیار لے کے
یہی ہوتے ہیں بس آغوں کے معنے"

مجھے اس پر تو غصّہ ایسا آیا
کہ میں نے بھی انھیں بس کاٹ کھایا

وہاں سے لے کے اپنی جان بھاگا
لگے کہنے وہ "رہ جا۔ میں بھی آیا"

وہاں سے میں ددا کے پاس آیا
دوپٹے میں مجھے اُس نے چھپایا

چچا کا جب نہ کچھ باقی رہا ڈر
دوپٹے سے نکل آیا میں باہر

وہاں سے ماسٹر کے پاس آیا
بیاں اُن سے کیا جو کچھ تھا گزرا

پھر اُن سے میں نے پُوچھا آپ کہیے
"بھلا ہوتے ہیں کیا آغوں کے معنے"

لگے کہنے وہ "پڑھنے جاؤ گے جب
سمجھ جاؤ گے خود آغوں کا مطلب"

تو اب تو مدرسے بھی ہم ہیں جاتے
وہی استاد ہیں ہم کو پڑھاتے

ہمیں تو یاد ہے ساری الف-بے
مگر آغوں کا مطلب ہم نہ سمجھے

سُنو اب پھر ہماری تم کہانی
مگر یہ بھی ہے اوروں کی زبانی

غرض یوں ہی مہینے تین گزرے
ہوئے اب کچھ ذرا ہم موٹے تازے

پڑے اکثر تو ہم جھولے میں سوتے
مگر جب بھوک لگ آتی تو روتے

توجس دم کان میں آواز جاتی — وہیں دائی ہماری دوڑی آتی
ہمیں آکر وہ جھولے سے اُٹھاتی — ہمیں پھر دودھ وہ اپنا پلاتی
لگا کر کہتی پھر کندھے سے اُوں اُوں — تو ہو جاتی ہماری بند رُوں رُوں
ہُمک کر ہم سبھی کے پاس جاتے — وہ چاہے غیر ہوں پھر، خواہ اپنے
وہ پھر دھوبن ہو، چاہے مہترانی — ہماری تھی سبھی پر مہربانی
وہ اُجلی ہو کہ، ہو مُنہ پر ملے خاک — اِدھر ہم گود میں پہنچے اُدھر پاک
لیا ہمشیر نے کہہ کہہ کے "بھائی" — کہ سر سے پیر تک بس وہ نہائی
مگر سُنتے ہیں یہ ابّا ہمارے — بہت کم گود میں ہم کو تھے لیتے (ایک ماہ)
اگر ایسا ہی اُن کو پیار آیا — تو ہم کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھایا
اُٹھاتے ہی ہمیں گبھّے یہ پٹکا — مگر امّاں نے اُن کا ہاتھ جھٹکا
کہا "آخر لیا ہی کیوں ہٹو بھی — اُتر جاتی اگر بچّے کی ہنسلی
نہیں بھاتی مجھے یہ ٹھٹھے بازی — چلو آئے بڑے بن کر نمازی"
غرض یوں ہی مہینے پانچ گزرے — ٹکا کر ہاتھ اب ہم بیٹھتے تھے (پانچواں مہینہ)
مگر اس وقت تھا یہ حال اپنا — کہ جیسے کوئی بے پیندے کا لوٹا
مہینا بھر یہی ہوتا تھا اکثر — کہ بیٹھے اور گرے فوراً زمیں پر
لگا جب ساتواں ہم کو مہینا — تو ڈھب آیا ہمیں اب بیٹھنے کا (ساتواں مہینہ)
تیز اتنی ہمیں اس سن میں آئی — کہ ہم سمجھے یہ ماں ہے یہ کھلائی
کسی نے بھی ذرا گر ہم کو گھورا — تو ہم نے دیکھتے ہی مُنہ بسورا
مجال اتنی نہ تھی گھر میں کسی کی — کہ ہم کو وہ ذرا دے دے تو گھُرکی

بہت ماں باپ کے گو ہم تھے پیارے — مگر نانی کے تھے دل سے دُلارے
غرض دائی کا اپنی دودھ پی کے — بنے ہم خوب ہی گلگو تھنا سے
جو کوئی پوچھتا بِن اس کا کیا ہے — تو وہ کہتی مہینا اَن گنا ہے
یوں ہی آرام سے پَلنے لگے ہم — غرض اب گھٹنیوں چلنے لگے ہم
ہوئے جب نو مہینے یوں ہی پورے — کھڑے ہونے لگے پٹی پکڑ کے
ہوا جاتا کھڑا لیکن نہ ہم سے — چھُٹی پٹی کہ نیچے آئے دھم سے
مگر پھر بھی نہ کم تھی کچھ شرارت — بیاں کرتی تھی دائی، تھی یہ حالت
"بڑا ہی چھُٹپنے میں تھا یہ کھوٹا — جسے چاہا اُسے نوچا کھسوٹا
زمانے بھر تھی یوں تو اس کی شفقت — کھلائی کی مگر بنتی بُری گت
کھلائی کہتی ہے "اے میں تو بیا تھی — میاں سے ہے بھلا کوئی بچا بھی"
بڑی دلچسپ ہے اپنی کہانی — ہے سب دائی کھلائی کی زبانی
یہ کیا ممکن کسی کی جان چھوٹے — نہ بھائی کے بھی ہم سے کان چھوٹے
نہ اپنے دل میں کچھ ہم سوچتے تھے — بہن کے کان جس دم نوچتے تھے
نہ رکھنے پاتی کانوں پر دوپٹّا — کہ پھر ہم زور سے دیتے چھپٹّا
ابھی کرنے نہ پائی تھی وہ ایں ایں — کہ اتنے میں پکاری "اے مری میں"
کبھی ابّا کے ہم نے گال نوچے — کبھی امّاں کے ہم نے بال نوچے
لپک کر دُم کبھی بلّی کی لیتے، — کبھی کتّے کے مُنہ میں ہاتھ دیتے
کبوتر کی کبھی دُم ہم نے توڑی — کبھی مُرغی کی گردن دھر مروڑی
گھسیٹا ہم نے فوراً جس کو تاکا — دیا اِک پیٹھ پر ماں نے دھماکا

اگر چلتے ہوئے نانی نے دیکھا
تو وہ بولیں وہیں سے "ہائیں یہ کیا

ارے معصوم پر یہ ظلم کیا ہے
تمھیں یوں ہی بڑا میں نے کیا ہے

اگر انصاف ہو کچھ بھی تو کہنا
یوں ہی کیا مار تم کھاتی تھیں بیٹا؟"

یہ کہہ کر وہ ہمارے پاس آتیں
ہمیں وہ گود میں اپنی اُٹھاتیں

یہ آنسو پونچھ کر پھر کہتیں میرے
"نہ ہاتھ اِس مارنے والی کے ٹوٹے"

اِدھر ہم گود سے نانی کے اُترے
وہی ہم تھے، وہی اودھم ہمارے

کبھی ہم نے مَلی مُنہ پر سیاہی
کبھی ہم لائے کپڑوں پر تباہی

کھلائی نے یہ جس دم حال دیکھا
وہیں سے بولی لوگو میں کروں کیا

ستایا ہے بہت ہی مجھ کو اِس نے
بُوا میں باز آئی نوکری سے

ابھی کُرتا بدل کر تھا یہ سویا
ذرا سی دیر میں اس نے کیا کیا

گئی تھی میں تو اس کو چھوڑ سوتا
یہ کیا اُٹھتے ہی اس نے حشر جوتا

ارے اب یاد آیا میں نگوڑی
یہیں کاجل کی ڈبیا رکھ گئی تھی

کھُلا اس نے کہیں اس کو جو پایا
مَلا کپڑوں پر اور مُنہ پر لگایا

ارے دیکھوں تو مُنہ تیرا "ایں آ" کر
کہیں بیٹھا نہیں کاجل تو کھا کر

ارے سچ مچ ہے کاجل اس نے کھایا
کروں میں اب نگوڑی کیا خدایا

یہی گر عادتیں اس کی رہیں گی
یہ کٹوائے گا میری ناک چوٹی

نہ بی بی اس کو تو کچھ بھی کہیں گی
مجھی کو ناحق آڑے ہاتھوں لیں گی

کہیں گی تم نہ تھیں کچھ ننھی بچی
کھلی ڈِبیا جو اس کے پاس چھوڑی

غرض پھر گود میں ہم کو اُٹھا کر
بٹھایا اس نے فوراً ٹب میں لا کر

وہاں تو ہم نے ایسا غل مچایا
کہ یاد اس کو چھٹی کا دودھ آیا

مگر وہ بھی تھی ایسی دُھن کی پکّی
ہمیں نہلا کے اس نے جان چھوڑی

غرض نہلا دُھلا کر خوب اُس نے
ہمیں لا کر نئے کپڑے پنہائے

ہمیں پھر گود میں لے کر کھلائی
چلی سیدھی دوا کے پاس آئی

وہیں پر وہ ہمیں بٹھلا کے چل دی
دوا بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھی

یکایک اپنے دل میں پھر یہ آئی
مزہ تو آئے گا چھیڑو اسے بھی

سُنیں کچھ دیر تو اس کی بھی بک بک
یہ سوچے اور اُٹھالی اُس کی بیچک

غرض دائی تو سینے میں لگی تھی
کہ بیچک جھٹ سے ہم نے منہ میں رکھ لی

ہماری رال سے وہ خوب بھیگی
ہوئی معلوم جب وہ ہم کو پھیکی

تو ہم نے مُنہ سے پھر اس کو نکالا
نکالا تھا کہ فوراً تُوم ڈالا

دوا سیتی رہی بیٹھی بچاری
نہ واقف تھی شرارت سے ہماری

ہوئی اِس بات کی اس کو خبر کب
وہ جُب سوئی کا دھاگا سی چکی جب

ہمیں وہ دیکھتے ہی بس پُکاری
کھلائی ہے کہاں آفت کی ماری

گئی کیوں چھوڑ کر اس کو مرے پاس
کیا دھاگے کا اس نے ستیاناس

یہ پھر مجھ سے لگی کہنے وہ کیوں رے
اسی دھاگے سے باندھوں ہاتھ تیرے

یہ کہہ کر اس نے جوں ہی پیٹھ موڑی
دکھائی دی ہمیں شیشی دوا کی

لپک کر ہم نے بس جھٹ سے اُٹھالی
اُٹھاتے ہی وہ کپڑوں پر گرا لی

دوا دینے لگی پھر تو دُہائی
چِلّا یہ عجب لڑکا ہے بھائی

(ناتمام)

محنت کے فائدے

کماؤ جس سے تم دولت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
مِلے جس چیز سے عزّت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، خجالت جس سے ہوتی ہے
وہ جس سے دُور ہو ذلّت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، بگڑتا کام ہے جس سے
سُدھرتی جس سے ہے حالت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، جو ہے بیماریاں لاتی
جو دیتی ہے ہمیں صحّت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، جو رکھتی ہے ہمیں بودا
جو دیتی ہے ہمیں ہمّت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، جو کر دے ناتواں ہم کو
جو قائم رکھتی ہے طاقت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے
وہ سُستی ہے، وہ سُستی ہے، جو رکھتی ہے ہمیں پیچھے
وہ حاصل جس سے ہو سبقت، وہ محنت ہے، وہ محنت ہے

اگر فائدہ اپنا تم چاہتے ہو ۔ نہ یہ بھول جانا نصیحت ہماری
نہ لینا کبھی زور سے کام ہرگز ۔ جہاں تک کہ ہو زر سے مطلب برآری (سعدی)

سُنا ہے کہ جو لوگ ہیں باخدا ۔ نہیں دل وہ دشمن کا بھی کرتے تنگ
نہ ہوگا میسّر تجھے یہ مقام ۔ کہ تو دوستوں تک سے کرتا ہے جنگ (سعدی)

بچّوں کو نصیحت

ماں باپ کا دل اپنے دُکھانا نہیں اچھّا — بچّوں کے لئے اُن کا ستانا نہیں اچھّا
پیچھے کہیں رہ جاؤ نہ ہمجولیوں سے تم — سر دُکھنے کا ہر روز بہانا نہیں اچھّا
کہتا ہے تمھیں کون کہ چھٹّی میں نہ کھیلو — درجے میں مگر شور مچانا نہیں اچھّا
اِس گندے پنے سے تمھیں آتی نہیں گھن بھی — تختی پہ کبھی تھوک لگانا نہیں اچھّا
ہم تم سے کہے دیتے ہیں ناپاس نہ ہو جاؤ — ہر روز رِضا لے کے تو جانا نہیں اچھّا
جو چیز خرید و اُسے لے جاؤ گھر اپنے — سڑکوں پہ کبھی بیٹھ کے کھانا نہیں اچھّا
تم بھول نہ جانا کہ صفائی ہے بڑی چیز — کپڑوں پہ سیاہی کا گرانا نہیں اچھّا
ہوتے نہیں اِن باتوں سے اُستاد ذرا خوش — مکتب میں کبھی دیر سے آنا نہیں اچھّا

ہم تم کو بتاتے ہیں بڑے کام کی اِک بات
بے فائدہ وقت اپنا گنوانا نہیں اچھّا

صبح کا سماں

تعریف اس کی ہو کیا، کیا بات ہے سحر کی — کیسا سماں ہے پیارا، کیا بات ہے سحر کی
چڑیوں کا چہچہانا، سبزے کا لہلہانا — کیا وقت ہے سُہانا، کیا بات ہے سحر کی
کیا اوس کے ہیں قطرے، موتی ہوں جیسے بکھرے — قدرت کا ہے تماشا، کیا بات ہے سحر کی
گاتے ہیں کیا پرندے، چرتے ہیں کیا چرندے — ہے امن کا زمانا، کیا بات ہے سحر کی
پھولوں کا وہ مہکنا، بُلبُل کا وہ چہکنا — کویل کا غُل مچانا، کیا بات ہے سحر کی
اُٹھا جو صبح کوئی، جس نے یہ سیر دیکھی — بے ساختہ وہ بولا، کیا بات ہے سحر کی
تڑکے جو باغ پہنچا، دیکھا جو یہ تماشا — لب پر سخن یہ آیا، کیا بات ہے سحر کی

سورج کا کام

حکم ہے یہ خدا کا سورج کو — وقت پر نکلو، وقت پر ڈوبو
اور دنیا کے لوگ ہیں جتنے — اُن کو ہر روز روشنی پہنچے
جب کہ مشرق کی سمت سے تڑکے — یہ نکلتا ہے اپنے کمرے سے
کام کی ابتدا ہے اس کے وہی — یہی حالت ہے شام تک اس کی
اس کو ملتا نہیں ذرا آرام — کام دیتا ہے یوں ہی وہ انجام
پاتا پینے کو ہے، نہ کھانے کو — کرتا روشن ہے وہ زمانے کو
ہے خدا سے یہ التجا میری — کام دن بھر یوں ہی کروں میں بھی
نور کے تڑکے روز ہی اُٹھ کے — میں بھی لگ جاؤں کام میں اپنے
پا کے اِس کام کاج سے فرصت — اپنے خالق کی میں کروں طاعت
اے خدا مجھ پہ مہربانی کر — شادماں میری زندگانی کر
مجھ کو اس کا کبھی نہ رنج رہے — گزرے دن بچپنے کے یوں ہی مرے
وقت سونے میں سب مرا گزرا — کام کچھ بھی نہ ہو سکا تیرا
زندگی میری ایسی ہو نہ سکی — بندگی مجھ سے تیری ہو نہ سکی
تجھ سے شرمندہ اے خدا ہوں میں — درگزر تجھ سے چاہتا ہوں میں

میری حالت سقیم ہے یا رب
تو غفور رحیم ہے یا رب

رکھتا نہیں جو بات کا اپنے میں سلیقہ — ذلت میں بسر کرتا ہے عزت ہے وہ کھوتا
ناداں کو مناسب ہے خاموش رہے وہ — ناداں سمجھتا یہ۔ تو ناداں نہ ہوتا (سعدی)

تین قاعدے

آؤ کچھ باتیں بتائیں کام کی ہیں وہ باتیں کام کی اور نام کی
سمجھو اب تم کو کسی نے دُکھ دیا اور تم نے اس کا بدلا لے لیا
گر کسی نے تم کو اِک ڈھیلا دیا تم نے بھی پتھر سے بدلا لے لیا
جو کرے یہ کام وہ مجنون ہے ہاں مگر یہ آہنی قانون ہے
کی اگر نیکی کسی نے اپنے ساتھ اور ہم نے بھی بٹایا اُس کا ہاتھ
جیسے تم نے ہم کو اِک پیسا دیا اور وہ ہم نے تمھیں واپس کیا
جو کیا ہم نے بہت اچھا کیا ہے رو پہلی قاعدہ یہ۔ باحیا
اب سُنہری قاعدہ ہے کیا بھلا وہ بھی ہم کہتے ہیں تم سُن لو ذرا
تم کو نقصاں بھی جو پہنچائے کوئی چاہنا ہرگز نہ تم اُس کی بدی
تم ہمیشہ اس سے نیکی ہی کرو تاکہ اپنے دل میں وہ شرمندہ ہو
نیک لوگوں کا یہی ہے نیک کام
بس یہی کہنا تھا اب جاؤ سلام

موسیٰ اور قارون

سُنا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام لگے کرنے قارون سے یوں کلام
عنایت ہے تجھ پر خدا کی بڑی لہٰذا تجھے بھی ہے لازم یہی
خدا نے دیا ہے تجھے جو بھی مال نہ کر جمع تو خرچ کی مد میں ڈال
نصیحت نہ موسیٰ کی اُس نے سُنی سُنا تم نے کچھ اس کا انجام بھی
طمع میں جو دولت کی وہ پھنس گیا زمیں میں لئے اس کو بس دھنس گیا

۷۸۶

مقدمہ

از

اُستاذی جناب عبدالرّحیم صاحب ڈیٹمکر مدظلہ العالی جے پی آنریری مجسٹریٹ

"اس کا مقدمہ آپ تحریر فرمائیں گے؟" سولہ سو سے زیادہ اشعار کے مسودے دکھا کر ناظم نے مجھ سے کہا، اُن کی شان یہ تھی کہ ردی کاغذوں، چھپے ہوئے اشتہاروں اور لفافوں تک پر لکھے ہوئے تھے۔

"ضرور بشرطے کہ تم اس میں ایک لفظ کا تغیر نہ کرو" میں نے جواب دیا۔ ناظمؔ نے منظور کیا۔

ناظمؔ میرا شاگرد ہے اور اس نے شرارت پر طالب علمی کے زمانے میں میرے ہاتھ کی بے حد مار کھائی ہے۔ بے پروائی، لااُبالی پن، اپنے آپ پر ظلم یہ ناظم کے خصوصی صفات ہیں جس کی نظمیں اس وقت آپ کے سامنے ہیں اور جن کے متعلق میری دعا ہے کہ وہ مقبول ہوں، منظور ہوں اور مشہور رہوں اور ہندوستان کا کوئی گھر ایسا نہ ہو جو اس دلکش دل پزیر، اور سبق آموز کتاب سے خالی ہو۔ ان نظموں کی زبان کے بارے میں اس کے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ "وطن کی دُوری اور وطن والوں کی مہجوری" کے باوجود ناظم کو زبان پر جو قدرت حاصل ہے اُس کی ادنیٰ مثال یہ "بچگانہ نظمیں" ہیں جو صرف پندرہ روز میں قلم برداشتہ لکھی گئی ہیں۔

"چہل سال عمر عزیز ش گزشت" کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ناظم نے اپنے کسی مسودے کو دوبارہ لکھا ہو۔ "سلیس نظمیں" جن کا بیشتر حصّہ ان نظموں کے ساتھ

پرندوں سے سبق

لے کے آرام کا پیام آئی
چھپ گیا سورج اور شام آئی

بند چرنا ہوا چرندوں کا
ختم اُڑنا ہوا پرندوں کا

کام کرتے تھے دن کو جو مزدور
گھر چلے اپنے اپنے ہو کر چُور

گھر کو لوٹا ہے اپنے چرواہا
گنگناتا چلا ہے وہ آہا!

پڑھ پڑھا کر گھر آ گئے بچّے
بل کہ بیٹھے ہیں اب تو کھا پی کے

یاد کرتا ہے کوئی کل کا سبق
کوئی یوں ہی اُلٹ رہا ہے ورق

نیند کا ہو رہا ہے متوالا
اے لو وہ پڑھتے پڑھتے سو بھی گیا

اب سبق خواب میں کرے گا یاد
دیکھیں کل کیا کہیں اسے اُستاد

پُوچھا اسلم نے اپنے ابّا سے
آپ یہ بات تو ذرا کہیے

طوطے۔ مرغے۔ بئے۔ چڑے۔ کوّے
کیوں یہ ہیں شام ہی سے سو جاتے

شام سے کچھ یہ بولتے ہی نہیں
اپنی چونچیں یہ کھولتے ہی نہیں

راستا رات کو یہ چلتے نہیں
گھونسلوں سے کبھی نکلتے نہیں

رات کو سیر کرنے جاتے نہیں
دیر کر کے یہ گھر پر آتے نہیں"

سُن کے بیٹے کی اپنے یہ گفتار
باپ کہنے لگا کہ "برخوردار!

سُنو! ایسے ہیں جانور جتنے
یعنی مرغے۔ بئے۔ چڑے۔ کوّے

سب یہ ہیں شام ہی سے سو جاتے
کیوں کہ اُٹھتے ہیں نور کے تڑکے

صبح بیکار وقت کھوتے نہیں
دن چڑھے تک کبھی یہ سوتے نہیں

یہ ہمیں رات کو ستاتے نہیں
یہ ہمارے گھروں میں آتے نہیں

شب کو پھرنے کہیں یہ جاتے نہیں — یہ ہوا تھپیڑوں کی کھاتے نہیں
تندرستی خراب کرتے نہیں — موت کو یہ بلا کے مرتے نہیں
تو اسی طرح جو ہیں لوگ اچھے — کام سے شام کو ہیں گھر آتے
وہ کبھی رات کو بھٹکتے نہیں — ایسی ویسی جگہ پھٹکتے نہیں
دیر کرکے وہ گھر پر آتے نہیں — بیوی بچوں کو وہ ستاتے نہیں
شب کو گھنٹی کبھی بجاتے نہیں — سونے والوں کو وہ جگاتے نہیں
ہاں تو کہنے کو تھا میں اے بیٹا — یہ پرندوں سے ہے سبق ملتا
ہم کو بھی چاہیئے ہے بات یہی — کہ نہ بے کار کھوئیں رات اپنی

لو لگے تم جمائیاں لینے
جاؤ آرام اب کرو بیٹے"

نوشیرواں کا جواب

کسی نے جا کے کسریٰ سے ایک روز کہا — شہا بڑھا کرے اقبال دم بہ دم تیرا
فلاں عدو جو ترا تھا جہاں سے آج گیا — یہ سُن کے شاہ نے اِک آہ بھر کے اُس سے کہا

ضرور ہوتا یہ ہنگام شادمانی کا
بھروسا ہم کو بھی ہوتا جو زندگانی کا

بھلا بتاؤ تو موقع یہ ہے خوشی کا کیا — جہاں وہ آج گیا کل ہمیں بھی ہے جانا
کسی کو موت سے ہرگز نہیں ہے چھٹکارا — بُرا ہو، یا وہ بھلا ہو، وہ شاہ ہو کہ گدا

چھٹا کبھی نہ کوئی موت کے شکنجے سے
رہائی پائی کسی نے نہ اُس کے پنجے سے

(سعدی)

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کام کی باتیں

آؤ بتلائیں کام کی باتیں — کام کی اور نام کی باتیں
جن سے ماں باپ خوش ہوں وہ باتیں — جن سے ہم آپ خوش ہوں وہ باتیں
تم میں اتنی تو چاہئے ہمّت — سچ کے کہنے کی ڈالو تم عادت
جُھوٹھ کہنا ہے کام بُزدل کا — تم سے کہتے ہیں اس سے تم بچنا
کبھی ایسی کرو نہ تم بَک بَک — بات پر جس سے ہو تمھاری شک
جو ہے جھوٹا اگر کہے سچ بھی — ساکھ رہتی نہیں ہے پھر اُس کی
چاہتے ہو اگر تم اپنا نام — بُھول کر بھی کبھی نہ دو دُشنام
جھوٹی قسمیں کبھی نہ کھاؤ تم — اپنی عزّت نہ یوں گنواؤ تم
ایسے لڑکوں کے ساتھ تم نہ رہو — بَکتے بازار میں ہیں گالیاں جو
گھر میں ہو خواہ تم ہو مکتب میں — ہم کبھی تم سے گالیاں نہ سُنیں
کبھی بُھولو نہ اِس نصیحت کو — کبھی سختی سے تم نہ بات کرو
ان کا اچھا کبھی نہیں انجام — دیکھو کہنا کبھی نہ سخت کلام
مدرسہ ہو، وہ گھر ہو یا رستا — اس کا ہر جا خیال تم رکھنا
سب کو نالاں نہ شور سے کرنا — بات ہرگز نہ زور سے کرنا
اپنے ہوں، خواہ ہوں وہ بیگانے — ماں، بہن، باپ بھائی، ساتھی سے
تم سبھی سے ادب سے بات کرو — اور اس کا خیال بھی رکھو
راستے میں بھی جو بزرگ ملے — پیش آنا ادب سے تم اُس سے
رکھو اُستاد کا تم اپنے خیال — اس کے دل میں نہ آئے کوئی ملال

مہربانی کرو

نہ سبق بھولو مہربانی کا — تاکہ پھل پاؤ زندگانی کا
جو ہوں کم زور بچّے یا بوڑھے — اُن سے پیش آؤ مہربانی سے
ہم نے مانا ہو تم ابھی کم سِن — کھیلنے کے یہ ہیں تمھارے دن
لیکن اپنی بساط بھر بچّو — مہربانی سے تم نہ غافل ہو

حکم مانو

جب بڑا کوئی حکم دے تم کو — اس کو فوراً ہی تم بجالاؤ
یاد رکھّو کبھی نہ ایسا ہو — ایک ہی بات بار بار سُنو

دل نہ دکھاؤ

زندگی کا یہی ہے بس حاصل — نہ کسی کا کبھی دُکھاؤ دل
ہے وہ دُنیا میں آدمی اچّھا — جس سے ناخوش کوئی نہیں ہوتا

نیکی بھلائی

خوش جو رہنا ہو چاہتے بچّو — نیک ہر ایک سے سلوک کرو
چاہتے ہو اگر بھلائی تم — نہ کسی سے کرو بُرائی تم
چاہو دونوں جہاں کی تم جو خوشی — بھُول جانا نہ یہ اُصول کبھی

نرمی

گر کبھی اتّفاق ہو ایسا — نہ کوئی کام چاہو تم کرنا
اس سے اس طرح تم کرو انکار — جس سے گھٹنے نہ پائے اپنا وقار
مثلاً تم یوں ہی نہ کیوں کہہ دو — اس سے رکھیے معاف ہی مجھ کو
نہیں دُنیا میں کوئی بھی ہستی — نہیں جس کو پسند ہے نرمی

بیچ میں نہ بولو

جب کوئی شخص بات کرتا ہو — تم کبھی بیچ میں نہ بول اُٹھو
دیکھو اس بات کو سمجھ لو خوب — یہ طریقہ بہت ہی ہے معیوب

خط نہ پڑھو

جب کوئی لکھتا یا کہ ہو پڑھتا — رکھنا ہر وقت تم خیال اس کا
جھک کے ہرگز نہ دیکھنا اس کو — یہ بھی عادت بُری ہے تم سمجھو

بات ممکن ہے کوئی ایسی ہو — نہ دکھانا جو چاہے وہ تم کو
پھر تمھیں اُس کے بھید سے کیا کام — دُور سے ایسی عادتوں کو سلام

وقت پر کام کرو

چاہتے گر ہو، نیک ہو انجام — وقت پر اپنا تم کرو ہر کام
کام جو وقت پر نہیں کرتا — یا د رکھنا کہ ہے وہ دُکھ بھرتا
خود بھی نقصان اُس کا ہوتا ہے — وقت اوروں کا بھی وہ کھوتا ہے
تم کو کرنا اگر ہو کوئی کام — اس کو اچھّی طرح دو تم انجام

ہر چیز کو جگہ پر رکھو

بات اِک اور کہیں طریقے کی — ہے بڑے کام اور سلیقے کی
دیکھو تم یہ ضرور سیکھو تمیز — کہ نہ پھینکو تِتر بِتر کوئی چیز
چیز جس جا سے لو۔ وہیں رکھو — کہ پڑے پھر نہ ڈھونڈھنا تم کو

صفائی

ہو گی حاصل بڑی خوشی تم کو — تم ہمیشہ جو پاک صاف رہو
اچھّے کپڑوں پہ تم نہ ہو مغرور — اِس بدی سے رہو ہمیشہ دُور
وہی بچتا ہے ہر بُرائی سے — جو ہمیشہ رہے صفائی سے

روز نہاؤ

نہیں بیماریاں پھر آنے کی — روز عادت جو ہو نہانے کی
دیکھو سو کر سویرے جب اُٹھو — مانجو اچھّی طرح سے دانتوں کو
مُنہ کو تم اپنے دھوؤ صابُن سے — ہاتھ پیروں میں بھی نہ مَیل رہے

خوش مزاجی

واہ کیا بات خوش مزاجی کی — کہ یہ خصلت بہت ہی ہے اچھّی
اور رہتا ہے جو قناعت سے — اس کی ہوتی بسر ہے راحت سے
جو ہے قانع اُسی کی عزت ہے — سب سے دولت بڑی قناعت ہے
چاہو بے موت تم نہ گر مرنا — نہ کسی پر کبھی حسد کرنا

ہے طمع کا بہت بُرا انجام — بھُول کر لو کبھی نہ اس کا نام
حال جیسا سمجھتے ہو اپنا — بس وہی حال سمجھو اوروں کا
جتنی باتیں بیاں ہوئیں اوپر — سیکھنے کو ہے اُن کے اپنا گھر
یوں تو نیکی ہے سب جگہ اچھّی — پہلے لیکن خبر تو لو گھر کی
کام اچھا جو ہو وہی لیجے — بات سچّی جو ہو وہی کیجے
چاہتے تم اگر ہو - خوش ہو خدا — چاہو بدلا کبھی نہ نیکی کا
تم نہ زنہار بھُول یہ جانا — ہے بھلائی - بھلائی کا بدلا
منزلیں پند کی ہوئیں سب طے — بس یہی آخری نصیحت ہے
تمھیں ماں باپ سے جو ہے اُلفت — اُس سے بڑھ کر خدا کی ہو طاعت

دین دُنیا کا چاہو تم جو بھلا
یاد یہ سب نصیحتیں رکھنا

بھید نہ کہو

ہاں سُنو عادت ہے یہ کس کام کی — چاہتے ہو بات جو رکھنا چھُپی
پہلے تو خود ہی کسی سے وہ کہو — بعد میں پھر اس سے یہ تاکید ہو
بات یہ میں نے جو ہے تم سے کہی — اپنے ہی تک بس اسے رکھنا چھُپی
سننے والا گر کہے تم سے یہ بات — یہ بھلا کہتے ہو تم کیا واہیات
کام جو خود ہی نہ تم سے ہو سکا — یہ بتاؤ کیا کرے گا دوسرا
تم سے جب چھُپتا نہیں ہے اپنا بھید — رکھتے ہو اوروں سے تم پھر کیا اُمید
یہ نصیحت اب نہ بھُولو تم کبھی — سب سے بہتر ہے جہاں میں خامشی

(سعدی)

حبشی کا جواب

حبشی سے اِک دن کسی نے کہا — کہ تو آدمی ہے کہ کالی بلا
دیا اس کو حبشی نے ایسا جواب — کہ سُن کر جسے وہ ہوا لاجواب
کہا اُس نے گو میں نہیں ہوں حسیں — بنایا ہوا میں تو اپنا نہیں
نہیں اپنی خلقت کا میں ذمّہ دار — کہ ہے سب کا خالق وہ پروردگار
بری زشت روئی سے مطلب تجھے — سبھی ہیں خدا کے بھلے اور بُرے
جو باتیں ہیں قسمت میں اس نے لکھی — اُنھیں تو نہیں میٹ سکتا کوئی
توانا وہ ہے اور قادر وہ ہے — بھلا ہم بھی دنیا میں ہیں کوئی شے
کرے رہ نمائی جو اس کا کرم — پہنچ سکتے ہیں اپنی منزل پہ ہم
عنایت جو اس کی نہ دے اپنا ساتھ — تو رہ جائیں ہم سب کے سب مل کے ہاتھ
جہاں آفریں گر نہ یاری کرے — تو کیا بندہ پرہیزگاری کرے
جو فرمایا سعدی نے اے باحیا — بہت ٹھیک ہے اور بہت ہے بجا
مگر پھر بھی اتنا کہیں گے ضرور — نہیں عقل میں جن کی کوئی فتور
خدا کو وہ الزام دیتے نہیں — یہ بدنامیاں سر پہ لیتے نہیں
وہ کہتے ہیں جو ہے بُرا یا بھلا — ہے بے شک خدا ہی نے پیدا کیا
مگر عقل بھی اس نے دی ہے ضرور — کہ سرزد نہ ہو ہم سے کوئی قصور
ہمیں اس نے یہ دے دیا اختیار — کریں کام سے پہلے اس کا بچار

کہیں کس لئے ہم بتاؤ بھلا
جو ہم سے ہوا وہ خدا نے کیا

علم کے فائدے

اِک بات اے بچّو سُنو ہرگز نہ اپنا وقت کھو
ایسا نہ ہو جاہل رہو جلدی پڑھو، جلدی پڑھو
پھر ہو گی یہ حالت کہاں
پڑھنے کی پھر فرصت کہاں
اُستاد کا کہنا سُنو جیسا کہے ویسا کرو،
ایسا نہ ہو شرمندہ ہو تم ہم سے اتنا سُن رکھو
اَن پڑھ کی کچھ عزت نہیں
جاہل کی کچھ وقعت نہیں
دولت بڑی ہے علم کی عزت بڑی ہے علم کی
وقعت بڑی ہے علم کی حرمت بڑی ہے علم کی
اَن پڑھ کی حالت ہے بُری
بچّو! جہالت ہے بُری
پاؤ جو مکتب سے رضا لو گھر کا سیدھا راستہ
سڑکوں پہ چھوڑو کھیلنا ہاں یہ طریقہ ہے بُرا
یہ رنگ کچھ اچّھے نہیں
یہ ڈھنگ کچھ اچّھے نہیں
عزّت اگر مطلوب ہے ثروت اگر محبوب ہے
دولت اگر مرغوب ہے تو یہ طریقہ خوب ہے

سنگت بُروں کی چھوڑ دو
تم اُن سے رشتہ توڑ دو

جاہل ہمیشہ خوار ہے　　وہ ہر طرح بے کار ہے
اُس پر خدا کی مار ہے　　دُنیا کی بھی پھٹکار ہے

ہے علم کا رتبہ بڑا
ہے علم سے ملتا خدا

اس وقت کا کہنا ہے کیا　　اِس عمر کا کیا پُوچھنا
یہ وقت جو تم کو مِلا　　سمجھو کہ پایا مفت کا

پھر چین کی باتیں کہاں
یہ دن کہاں راتیں کہاں

عاجزی کر

بنایا گیا بس کہ ہے خاک سے　　تو اے دوست یہ چاہئیے ہے تجھے
نہیں اچھی تیری جہاں سوزیاں　　نہیں خوب یہ آتش افروزیاں
نہ کر جمع زر تُو۔ نہ لالچ میں پڑ　　کہ جائے نہ قارون کی طرح گڑ
اگر آدمی ہے تو سرکش نہ بن　　بنا خاک سے تُو ہے آتش نہ بن
اُٹھا بَن کے شعلہ جو سر آگ کا　　خبر بھی ہے کیا حشر اس کا ہوا
نہ باقی وہ تیزی رہی اور نہ ساکھ　　ہوئی آخر اک روز جل کر وہ راکھ
مگر خاک نے عاجزی کی پسند　　ہوا کس قدر اس کا رتبہ بلند
خبر ہے بنا خاک سے آدمی　　اور آتش سے خلقت ہوئی دیو کی

(سعدی)

شامل ہے۔ میں نے زبردستی چھین کر چھپوادیں۔ ورنہ جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سینکڑوں کی تعداد میں غزلیں، قومی نظمیں، بہاریہ نظمیں، قصائد، ترجیع بند، مذاقیہ نظمیں، مخمس، مسدس، رباعیات، قطعات وغیرہ ناظم نے لکھے اور پھینک دئے۔ پوچھئے اس سے کچھ ہے پاس؟

اُردو کے علاوہ ناظم نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نظم اور نثر کے مضامین گجراتی میں لکھے، جو اس قدر مقبول ہوئے کہ انھیں کی وجہ سے لوگ اس اخبار کو خریدتے تھے اور یہ سلسلہ شاید اب تک جاری ہے۔ لیکن ہر ایک سے ناظم کی یہی تاکید ہے کہ اگر میرا نام ظاہر کیا تو پھر مجھ سے کسی مضمون کی اُمید نہ رکھنا۔ چند خاص احباب ہی کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ایک زمانے میں بیک وقت ناظم کے ادبی مضامین سروش، سرشار اور سرخوش کے ناموں سے بمبئی کے تین روزانہ اخباروں میں چھپتے تھے۔ یہ مضامین کیسے ہوتے تھے؟ اس کا جواب مسٹر مہرجی بھائی نوشیروان جی گوگا ایم۔اے مؤلف Wit Humour & Fancy of Persia کی زبان سے سُنئے جو فارسی کے ایک زبردست ادیب ہیں ؎

شرابے دہد ناظمِ بزمِ ما — کہ مفتون ذوقش بوند اہلِ ہوش
ہمانا ازان مے چنان سرخوشیم — کہ سرشار مارا نماید سروش

مگر پُوچھئے کہ ان مضامین کا ایک حرف بھی موجود ہے۔ ناظم کی طرف سے میں جواب دیتا ہوں کہ ”نہیں“۔ ناظم نہ صرف ایک اچھا شاعر اور ادیب ہے بلکہ ایک نہایت تجربہ کار صحیفہ نگار (جرنلسٹ) بھی ہے۔ چنانچہ بمبئی کے ایک نہایت ہی زبردست روزنامہ میں اسلامی معاملات پر افتتاحیہ مضامین ناظم ہی کے قلم سے نکلتے تھے۔ اور

شہزادے کو نصیحت

رہی زندگی کی نہ جب کچھ بھی آس　　بُلا کر یہ شیرویہ کو اپنے پاس
کہا اس سے خسرو نے بیٹا سنو　　مبارک تمھیں تاج اور تخت ہو
بہت سوچ کر تم ارادہ کرو　　مگر کر کے چھوڑو اسے کچھ بھی ہو
اسی کام کی سب کو دینا صلاح　　کہ جس میں رعیت کی ہو کچھ فلاح
کبھی عقل سے مُنہ نہ تم موڑنا　　نہ رشتہ کبھی اس سے تم توڑنا
رہو گے جو تم عقل سے لیتے کام　　رہیں گے سبھی پھر تمھارے غلام
نہ بننا کبھی دیکھو بیدادگر　　بھلا چاہتے تم ہو اپنا اگر
نہیں تو رعیت کرے گی نفور　　نہ بدنام ہو جاؤ تم دُور دُور
یہاں جس نے رکھی بدی کی بِنا　　سمجھ لو وہ برباد خود ہو گیا
ڈرو شیر سے اور نہ شمشیر سے　　مگر دل نہ دُکھیا کا ہرگز دُکھے
نہ بھُولو کبھی تم کہ دُکھیا کی آہ　　جلا کر ہے ظالم کو کرتی سیاہ
نہیں اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب　　کہ انصاف پاتے ہیں جس سے غریب
وہ کرتا ہے دُنیا سے جس دم سفر　　تو ہوتے ہیں اس پر سبھی نوحہ گر
بھلائی سے کرتے ہیں سب اُس کو یاد　　وہ تربت میں بھی اپنی رہتا ہے شاد
ہیں اچھے بُرے جانے والے سبھی　　تو پھر کیوں نہ نیکی کرے آدمی
خدا ترس ہی کو تو حاکم بنا　　رعیت کا گر چاہتا ہے بھلا
رعیت پہ تیری جو ڈھائے ستم　　سمجھنا نہ تو اس کو دشمن سے کم
جو پَرجا سے ہو تیری خاطر بُرا　　سمجھنا نہ ہرگز اسے تو بھلا

...زنہار ایسے کو حاکم بنا　　رعیت ہو دیتی جسے بد دعا
...دوں سے بھلائی کبھی جس نے کی　　ہوئی اس سے اپنی ہی گویا بدی
...نصیحت نہ یہ بھولنا اے عزیز　　نکو پروری ہے یہاں خوب چیز
...وہ عالم کہ ظالم ہو جو بدشعار　　مناسب یہ ہے اس کی گردن ہی مار
...مہلت کبھی بھیڑئیے کو ملے　　کہ بھیڑوں کو آکر وہ آزار دے

خلاصہ تھا لکھنا فقط اپنا کام
یہ ہے شیخ سعدیؒ کا سارا کلام

کوّے کی ہوشیاری

بچّہ بچّہ یہ بات ہے سُنتا　　ہے سیانا بہت بڑا کوّا
ایک کوّے کا ماجرا سُنئے　　اپنے بیٹے سے جو کہا سُنئے
کہا اُس سے یہ اُس نے "اے بیٹا　　غور سے سُن جو تجھ سے ہوں کہتا
جب جُھکے کوئی لینے کو پتّھر　　بھاگ جانا وہاں سے تو اُڑ کر
ورنہ پھنس جائیگا مصیبت میں　　تو گرفتار ہوگا آفت میں
ایسا ماریگا وہ تجھے پتّھر　　ہوگا مردہ درخت سے گِر کر"
کہا بچے نے "خیر، یہ تو سنا　　مگر اِک بات تو بتاؤ ذرا
اور جو گھر ہی سے کوئی پتّھر　　لائے جیبوں میں اپنی بھر بھر کر
کہئے اُس وقت کیا کرونگا میں　　بچ گیا زندہ یا مروں گا میں
سُن کے کوّے نے تب یہ اُس سے کہا　　"باپ کا باپ تو، تو ہے بیٹا
تجھ پہ ظاہر ہر ایک حالت ہے　　تجھ کو کہنے کی کیا ضرورت ہے"

حق شناس آقا

تمھیں ایک قصّہ سُناتے ہیں ہم
جو سعدیؔ نے ہے بوستاں میں لکھا

لکھا ہے کہ اِک بادشہ کا غلام
کسی بات پر ایسا ناخوش ہوا

ہوا گھر سے آقا کے اپنے فرار
کسی اور ہی شہر میں جا بسا

ہوئی اس کی آخر بہت جب تلاش
گرفتار اِک روز وہ ہو گیا

دیا حکم آقا نے جلّاد کو
کہ فوراً ہی دے اس کی گردن اُڑا

جوں ہی کھینچی تلوار جلّاد نے
کرے تن سے تا اُس کی گردن جُدا

لگا ہاتھ اُٹھا کر یہ کہنے غلام
"میں کرتا ہوں تجھ کو گواہ اے خدا

میں خون اپنا کرتا ہوں اس کو بحل
کہ تا بخش دے تو بھی اس کی خطا

رہا اس کی خدمت میں میں عمر بھر
مجھے اس نے ہر طرح کا سُکھ دیا

نہیں چاہتا میں قیامت کے دن
مری وجہ سے آئے اس پر بلا

عدو اس کے خوش اور غمگیں ہوں دوست
میں یہ بات ہرگز نہیں چاہتا"

سُنے جب کہ آقا نے اُس کے کلام
تو جلّاد کو حکم اُس نے دیا

کہ "میں نے بھی اس کی خطا کی معاف
اور آزاد بھی میں نے اس کو کیا"

کیا فوج کا اپنی سردار اُسے
دیا اور بھی رتبہ اُس کا بڑھا

نتیجہ یہی اس کہانی کا ہے
کہ سب کچھ یہ میٹھی زباں سے ہوا

زباں ہی سے ہوتا ہے انساں ذلیل
زباں ہی سے بنتا ہے وہ بادشا

نہیں چاہتے گر زباں ہو خراب
کسی کو نہ ہرگز کہو تم بُرا

قناعت کے غلط معنے

یہ لکھتے ہیں سعدی کہ اِک لومڑی — تھی مدّت سے جنگل میں بیٹھی ہوئی
نہ تھے ہاتھ اس کے سلامت نہ پیر — نہ جاتی کہیں تھی نہ کرتی تھی سیر
بھلا کیسے چل سکتی وہ لومڑی — کہ لُنجی بھی تھی اور لُولی بھی تھی
کسی شخص نے اس کا دیکھا یہ حال — کیا اپنے دل میں تعجب کمال
ہوئی عمر اس کی بسر کس طرح — یہ کرتی ہے آخر گزر کس طرح
اسی سوچ میں بس کھڑا تھا وہ مرد — کہ اتنے میں جنگل سے اک اُٹھی گرد
شکار اک لئے شیر آیا وہیں — اسے بیٹھ کر خوب کھایا وہیں
بچا جو، وہیں چھوڑ کر چل دیا — وہ پس خوردہ سب لومڑی کو ملا
ہوئی دوسرے دن بھی حالت وہی — کہ روزی وہیں لومڑی کو ملی
یہ اس شخص نے اپنے دل میں کہا — کہ "ہر اک کا روزی رساں ہے خدا
رہوں میں بھی یوں ہی یہاں گر پڑا — جو دینا ہے وہ مجھ کو پہنچائے گا"
غرض پھر تو یہ کام اس نے کیا — وہیں آکے جنگل میں وہ پڑ رہا
رہا تین دن تک وہیں وہ پڑا — مگر کچھ کہیں سے نہ اس کو ملا
ہوا مارے فاقوں کے یہ اس کا حال — کہ بس رہ گئیں ہڈیاں اور کھال
زباں پیاس سے آئی باہر نکل — نہ ہلنے کی طاقت نہ چلنے کا بَل
ہوا حال جس وقت اس کا بُرا — سُنی غیب سے اُس نے بس یہ ندا
کہ "جا شیر کی طرح بن لے دغل — پڑا ہے تو کیا لومڑی بن کے شَل
بس اُٹھ کام کر جیسے کرتا ہے شیر — کہ ہوں دوسرے تیری محنت سے سیر

ہے جو شیر۔ اور دل ہے روباہ سا   تو اس آدمی سے ہے کتّا بھلا
تُو کر کام کھا، دوسروں کو کھلا   کہ شیوہ یہی ہے جواں مرد کا
نہ پس خوردہ پر رکھ کسی کے نظر   بس اُٹھ بیٹھ، جا، مرد بن کام کر
تو اپنی ہی محنت سے روزی کما   اسی میں ہے (رکھ یاد) راضی خدا
پڑا رہ نہ ذلت میں بن کر اسیر   فقیروں، غریبوں کا ہو دست گیر
وہ جس سے کہ انسان کا نام ہے   وہ بس کام ہے۔ کام ہے۔ کام ہے
یہ ہے کام کی بات اس کو نہ بھول   خدا کام سے خوش ہے، راضی رسولؐ

کریں کیوں نہ اس نظم کو سب پسند
زباں میری ہے شیخ سعدی کی پند

فقیر کا کتّا

دیکھا یوں اِک فقیر کو میں نے   لئے۔ بیٹھا ہے گود میں کُتّا
ہنس کے میں نے کیا یہ اس سے سوال   "شاہ صاحب! بتائیے تو بھلا
نہ خفا آپ ہوں تو میں پُوچھوں   آپ اچھے ہیں یا کہ یہ کتّا"
کہا اس نے کہ "سنئے اے حضرت   حکم کتّا یہ مانتا ہے مِرا
گر اسی طرح سب بڑے چھوٹے   اپنے مالک کا حکم لائیں بجا
کون مالک؟ کچھ آپ سمجھے بھی؟   وہی مالک کہ ہے جو سب کا خدا
ہاں تو دُنیا میں سب امیر غریب   حکم مانیں جو اپنے مالک کا

تو وہ بے شک ہیں اچھے کتّے سے
ورنہ سگ ہے یہ دونوں سے اچھا

ایک اندھا لڑکا

کوئی مجھ کو ذرا یہ بتلا دے — کہ یہاں روشنی سی چیز ہے کیا
جس سے ہوں گا نہ میں کبھی محظوظ — میں جسے دیکھ ہی نہیں سکتا
ہاں کہو تو غریب اندھے سے — کیا نظر سے ہے فائدہ ملتا
ذکر کرتے ہو ان کا آپس میں — دیکھتے تم جو ہو عجیب اشیا
نام سورج کا بھی ہو تم لیتے — کہ وہ ہے دن کو روشنی کرتا
مجھ کو محسوس ہوتی ہے گرمی — یہ سمجھ میں مگر نہیں آتا
رات دن منحصر ہیں کیوں اس پر — اور ہے کیا بھید اس کی طاقت کا
اب اگر پوچھتے ہو تم میری — ہے حقیقت میں حال یہ میرا
تھا مرے واسطے ہمیشہ دن — میں جو ہر وقت کھیلتا رہتا
سویا کرتا اگر میں آٹھ پہر — نہ کبھی دن مرے لئے ہوتا
ہوتے ہو دکھ یہ تم مرے غمگیں — نہیں دُنیا میں جس کی کوئی دوا
سرد آہیں بھی تم کو بھرتے ہوئے — میں ہوں افسوس بارہا سُنتا
میں یہ کرتا ہوں صبر سے برداشت — اور ایسا ہی چاہئے ہونا
میں جو نقصان جانتا ہی نہیں — تو بھلا اس کا رنج ہی کیسا
خیر اب چھوڑ دو یہ سب باتیں — اور اگر چاہتے ہو میرا بھلا
غم سے بدلو نہ تم خوشی میری — جب مگن ہو کے میں ہوں یوں گاتا

میں سمجھتا ہوں شاہ اپنے کو
گو ہوں لڑکا غریب میں اندھا

مینہ کے فائدے

گرے مینہ کے کھڑکی پہ قطرے چھپا چھپ
ٹپا ٹپ! ٹپا ٹپ!! ٹپا ٹپ! ٹپا ٹپ!!

سلیم آج بے حد ہے غصّے میں بیٹھا
کیا کھیل ہے بند بارش نے اس کا

بگڑ کر یہ وہ ماں سے ہے اپنی کہتا
"برسنے نہ دوں مینہ کو بس ہو جو میرا

یہ کیا کھیلنے کا ہے جب وقت آتا
جبھی ہم کو یہ مینہ ہے آکر ستاتا

کبھو ہم نے اس کا بگاڑا ہی کیا ہے
جو یہ اس قدر ہم پہ بگڑا ہوا ہے

مجھے اس پر آتا ہے غصہ تو ایسا
کہ۔" فقرہ ابھی یہ ہوا تھا نہ پُورا

جو ماں روک کر اس سے کہنے لگی "ہا
سلیم ایسی باتیں بھی ہے کوئی کرتا

خدا کی ہے ہم پر بڑی مہربانی
کہ وہ بھیجتا بادلوں سے ہے پانی

کسانوں کو پانی یہ پیارا ہے بیٹا
ہمارا تمھارا سہارا ہے بیٹا

نہال اِن کسانوں کو کرتا ہے پانی
اناجوں کو کھیتوں سے بھرتا ہے پانی

یہی گھاس ہے جنگلوں میں اُگاتا
جسے شوق سے ہر مویشی ہے کھاتا

ہمیں اس سے کچھ کچھ ہے زحمت تو ہوتی
مگر یہ بھی ہے ایک رحمت خدا کی"

کچھ نہیں

منزل پہ سارے قافلے والے پہنچ گئے
ہم تو سفر کے واسطے تیار بھی نہیں

قدرت نے عقل دی ہے تو سمجھو ضرور یہ
تم چارہ گر نہیں ہو تو ناچار بھی نہیں

احباب مجھ کو رکھیں نوازش سے بس معاف
مشغول ہیں نہیں ہوں تو بے کار بھی نہیں

یہ سادہ لوحی اپنی ہے کہئے نہ سادگی
"لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"

ایک نیک لڑکا

ایک لڑکے کا ہے قصّہ یوں لکھا — وہ بہت سچا نہایت نیک تھا
باپ ماں کی آنکھ کا تارا تھا وہ — اور استادوں کا بھی پیارا تھا وہ
فرض اطاعت وہ بڑوں کی جانتا — اور دل سے ان کا کہنا مانتا
اب سُنیں آپ ایک دن کا ماجرا — تھا یہ، ہمسائے کے گھر میں کھیلتا
میوے والا اس کا ہمسایہ تھا ایک — جو طبیعت کا نہایت ہی تھا نیک
چھوڑ کر وہ اس کو گھر میں کھیلتا — کام سے اپنے کہیں باہر گیا
ہر طرح کے گھر میں میوے تھے دھرے — بیر تھے۔ نارنگیاں تھیں۔ سیب تھے
لیکن اس نے ان کو دیکھا تک نہیں — وہ جہاں تھے بس رہے رکھے وہیں
وہ مزے سے تھا وہاں پر کھیلتا — اتنے میں ہمسایہ واپس آ گیا
آتے ہی لڑکے سے یہ اس نے کہا — "کیوں جی اس میں سے نہ کچھ تم نے لیا؟"
سُن کے لڑکے نے یہ تب اس سے کہا — "کیوں میں لیتا؟ کیا وہ میرا مال تھا؟"
سُن کے ہمسایہ لگا کہنے وہیں — "لے بھی لیتے ہیں تو گھر میں تھا نہیں"
سُن کے لڑکے نے دیا اس کو جواب — "بات میری غور سے سُنیے جناب
میں نے یہ مانا کوئی گھر میں نہ تھا — میری یہ چوری خدا تو دیکھتا!"
سُن کے ہمسایہ ہوا یہ لاجواب — اور لڑکے سے کیا اس نے خطاب
"آفریں! شاباش!!! پیارے مرحبا!!! — باپ اور ماں کے دُلارے مرحبا!
ہو کے اک بچّہ دیا ایسا جواب — کر دیا بڈھے کو جس نے لاجواب"
ہم کو یوں ہی گر خدا کا ڈر رہے — مہرباں ہم پر نہ وہ کیوں کر رہے

آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

امتحاں پاس کرنا اگر ہو فیل ہونے کا ڈر ہو جو تم کو
تم گرہ میں نصیحت یہ باندھو یاد رکھو ہمیشہ یہ بچّو!
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

بھول کر دیکھو سُستی نہ کرنا یہ بَلا ہے بُری اس سے ڈرنا
نام ہے اس کا بے موت مرنا کان تم اس نصیحت پہ دھرنا
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

کیا خبر تم کو یہ بھی نہیں ہے کل تو کل کل سے ٹلتی نہیں ہے
فکر کیا تم کو اپنی نہیں ہے دیکھو یہ بات اچھی نہیں ہے
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

آج ہی کر لو سب کام اپنے آج کی بات کیا ہے ابھی سے
چھوڑ دو کاہلی کے طریقے طور اچھے نہیں یہ تمھارے
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

چاہتے ہو کماؤ جو دولت گر یہ چاہو کہ حاصل ہو عزت
کام میں اپنے کرنا نہ غفلت یاد رکھنا یہ میری نصیحت
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

سخت نقصان ہے کاہلی میں ہے مصیبت یہ گر ہو کسی میں
ٹھان رکھو یہ تم اپنے جی میں کامیابی کا گُر ہے اِسی میں
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو

چغل خور اور پارسا

گیا کوئی خدمت میں اک پارسا کی — کہ جو سر سے اور پیر تک تھا بھلائی
وہاں اور تو کام تھا کچھ نہ اس کو — شروع اس نے کر دی کسی کی برائی
سنیں اس کی باتیں جو اس پارسا نے — کہا اس نے اس سے کہ "سنتے ہو بھائی!
ملا کیا کسی کی برائی سے تم کو — یہ بتلاؤ دولت کوئی تم نے پائی
اگر وہ برا ہے، تو اپنے لئے ہے — بتاؤ تمھیں کیا پڑی ہے پرائی
بڑھے گا نہ کچھ مرتبہ تو تمھارا — کسی نے اگر اپنی عزت گنوائی
اسے بھی کہو کچھ نہ اپنی زباں سے — برا جس کو کہتی ہے ساری خدائی
یہ سو بات کی ایک کہتا ہوں تم سے — برائی ہیں سمجھو نہ اپنی بھلائی
بری چاہے تم کو لگے بات میری — مگر میں نے کہہ دی سمجھ میں جو آئی"
نصیحت سنی جب کہ اس پارسا کی — چغل خور نے اپنی گردن جھکائی
اگر کی ہے غیبت کسی کی کسی نے — رہے یاد اس نے یونہی منھ کی کھائی

بیمار اور ڈاکٹر

لگا دینے یہ رائے اک ڈاکٹر — کسی شخص کا تھا جو تیمار دار
"بہت جانو اس کو جو گزرے یہ رات — کہ حالت نہایت ہے آج اس کی زار
دعا مانگو بس اب دوا ہو چکی — کہ آساں ہو اس کا جہاں سے گزار
اٹھائے نہ یہ سختیاں نزع کی — کرے سہل مشکل یہ پروردگار"
سنا ہے اسی رات وہ ڈاکٹر — گیا آپ ہی اس جہاں سے سدھار
وہ مایوس بیمار اچھا ہوا — اٹھا جو نہ سکتا تھا صحت کا بار

اب بھی ان کا سلسلہ جاری ہو تو تعجب نہیں۔ ناظم کسی کو داد دینے والا شخص ہے؟ مقدمہ ختم سمجھئے، بلکہ مقدمہ کا ہے کو ہے ناظم کی فرد قرارداد جرم ہے۔ میں خدا سے پھر دعا کرتا ہوں کہ جن کے لئے یہ نظمیں لکھی گئی ہیں وہ انھیں پسند کریں اور شوق سے پڑھیں اور ناظم سے سستی کاہلی۔ بے پروائی اور لاابالی پن اپنے لئے نہیں تو اپنے بچّوں کے لئے دُور ہو، جن کی تعلیم اور پرورش کا اُس پر حق ہے۔

۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۳۰ء

عبدالرّحیم ڈمٹمکر
آنریری مجسٹریٹ
چیرمین (اسٹانڈنگ کمیٹی)
میونسپل کارپوریشن بمبئی

وہی جنگ میں ہو گیا کامیاب
جسے سب یہ سمجھے تھے جائے گا ہار

پرانا جو گھر تھا سلامت رہا
گری وہ عمارت جو تھی پائے دار

مثالیں بھی ایسی ملیں گی بہت
کہ خود ہی شکاری ہوئے ہیں شکار

نہیں اور تو کچھ بھی ہم جانتے
ہوئی اس کی تصدیق ہے بار بار

کسی کی نہ ہے موت پر دسترس
کسی کا نہ ہے زیست پر اختیار

(سعدی)

شریر چوہے

دیکھو کیسے شریر ہیں چوہے
دن کو رہتے ہیں وہ بلوں میں چھپے

رات کو جب ہو سارا گھر سنسان
چھوڑتے ہیں یہ اپنے اپنے مکاں

جوں ہی اپنے بلوں سے یہ نکلے
پھر نہیں چھوٹتا ہے کچھ ان سے

پہلے تو بیٹھ کر وہ سب کھائے
جو پڑے تھے زمین پر ٹکڑے

جب نہ باقی رہا وہاں کچھ بھی
پھر تو تاکی انھوں نے الماری

کھانے جتنے تھے خوب کھانے لگے
اور کتر کر انھیں گرانے لگے

کچھ نہ باقی غرض وہاں رکھا
دودھ پی کر پنیر بھی چکھا

خالا بلّی کی سنتے ہیں جب میاؤں
یہ سمجھتے ہیں کہتی ہے "میں آؤں"

ان کے ہو جاتے پھر ہیں گم اوسان
بھاگتے ہیں یہ اپنی لے کر جان

ہوتی بلّی سے ہے یہ آفت کم
ورنہ یہ جانور تو ہے اظلم

(انگریزی سے)

اُونٹ

لمبی گردن والے اونٹ   میرے بھولے بھالے اونٹ
عربوں کے رکھوالے اونٹ   مَسْت والے متوالے اونٹ
بے شک ہمت والا تو ہے
اس لیے سب سے بالا تو ہے
صُورت ہے سنجیدہ کیسی   اُونچی ٹانگیں گردن لمبی
رکھ دیں جو سر پر تیرے پگڑی   اک مُلّا بن جائے تو بھی
پیٹھ پہ ہم کو کیوں تو چڑھائے
پھر تو آ کر درس پڑھائے
تیرا کوئی منہ جو چڑھائے   اس کو شتر کینہ تو دکھائے
لڑکوں پر تو رعب جمائے   لکچر ان کو خوب سُنائے
تو اک کالج کھول کے بیٹھے
قوم سے روپیہ رول کے بیٹھے
کچھ نہ خدا کا خوف کرے تُو   چر جائے سب کھیت ہرے تُو
پوٹا اپنا خوب بھرے تُو   بچ جائے جو گھر میں دھرے تُو
بنگلے پر اپنے تجھ کو بلائیں
گھر پر تیرے کلکٹر آئیں
خیر یہ باتیں تو ہیں ہنسی کی   اب کہیں کچھ ہم سچی سچی
خوبیاں بھی ہیں تجھ میں بہت سی   اے لمبو کیا بات ہے تیری

ریت کا تو ہے جہاز اے بلبو
تجھ پہ عرب کو ہے ناز اے بلبو

تو ہے بہت ہی ہمت والا — جنگل ہو، یا چٹیل صحرا
ہم نے تجھ کو ہر جا دیکھا — خستہ، ماندہ، بھوکا، پیاسا

کیوں نہ سراہیں تری ہمت
دیکھی کم ہے ایسی ہمت

آؤ جی اے اونٹ تم آؤ — سرکس میں اب ناچو گاؤ
کرتب اپنے سب کو دکھاؤ — تم کو کھلائیں اونٹ پلاؤ

تم تو گئے لو ہم سے بھنا
تاک دھنا دھن دھنک دِھنا

غیبت کا حکم

یہ سعدی نے ہے بوستاں میں لکھا — کہ ہے تین شخصوں کی غیبت روا
ہے ان میں سے پہلے تو وہ بادشاہ — کہ ہو جس کے ہاتھوں رعیت تباہ
کرو اس کے ظلموں کی سب کو خبر — کرے تا کہ ایسے سے دنیا حذر
دوم شخص ایسا کہ ہو بے حیا — نہ غیبت سے بھی اس کی ڈرنا ذرا
سوم وہ جو سودا ہو کم تولتا — خریدار سے جھوٹ ہو بولتا
کر اِس عیب کی اِس کے سب کو خبر — کرے تا کہ اِس سے بھی دنیا حذر
بُرا اس کو کہنے سے ہرگز نہ ڈر — کہ یہ شخص خود اپنا ہے پردہ در
بس اب یاد رکھ یہ کہ ان کے سوا — نہیں تجھ کو غیبت کسی کی روا

فضول خرچ لڑکا

کیا کوئی دولت بہت چھوڑ کر ملا بعد اس کے وہ بیٹے کو زر
لگا بس کہ دولت اسے مفت کی نہ پروا اُڑانے میں کچھ اس نے کی
مزے زندگی کے اُڑانے لگا وہ کھانے لگا اور کھلانے لگا
لگیں ہونے یاروں کی مہمانیاں ہوئیں دور ان کی پریشانیاں
بزرگوں نے دیکھا جو یہ اس کا حال کہا سب نے اس سے کہ "ہے کچھ خیال؟
ملی تجھ کو دولت ہے کیا اس لئے کہ جس طرح جی چاہے بس پھینک دے
یہ ہے باپ نے جمع کی اس لئے کہ آرام سے عمر تیری کٹے
ملا ہے جو تجھ کو قریبوں کو دے جب ان سے بچے تو غریبوں کو دے
نہیں تجھ سے کہتے کہ رکھ چھوڑ مال مگر کچھ تو آئندہ کا کر خیال
یہ سب مال جب خرچ ہو جائے گا کوئی دوست تیرا نہ کام آئے گا
نہ یہ بات تو بھول جانا کہیں"
"بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں" سعدی

دو احمقوں کی لڑائی

آؤ تم کو سنائیں قصہ ایک اک یہودی تھا اک مسلماں تھا
ایک دن کیا ہوا کہ آپس میں ہوا ان دونوں میں بڑا جھگڑا
ایسا جھگڑا کہ جس کا پیر نہ سر مجھ کو بھی سُن کے خندہ آ ہی گیا
یہ کہا طعن سے مسلماں نے "سچ میں کہتا ہوں یہ مرا کہنا
نہ اگر ہو صحیح اور درست تو یہودی سا حشر ہو میرا"

یہ بگڑ کر کہا یہودی نے
"میں ہوں توریت کی قسم کھاتا
اور اگر جھوٹھ میں کہوں کچھ بھی
ہو مسلماں کے ساتھ حشر مرا"
دیکھ کر ان کی جنگ بس مجھ کو
آگیا یاد قول سعدی کا
"عقل دنیا سے گم اگر ہو جائے
پھر بھی کوئی نہیں یہ کہنے کا
واقعی تھی یہ میری نادانی
واقعی اس میں تھی مری ہی خطا"

اب یہ کہیے کہ امن کیونکر ہو
جب کہ دنیا کا رنگ ہو ایسا
(سعدی)

اچھی گائے

ابّا نے اک گائے ہے پالی
پیاری پیاری بھولی بھالی
دودھ ہے دیتی شام سویرے
جس کو شوق سے ہم ہیں پیتے
رابڑی۔ کھویا اور بالائی
ہم نے سب ہے دودھ سے پائی
دودھ کا ہم نے دہی بنایا
دہی سے ہم نے مکّھن پایا
مکّھن کو جب ہم نے تایا
ہاتھ ہمارے تب گھی آیا
گھی سے ہم نے گوشت پکایا
خوب ہی سب نے مل کر کھایا
جانتے ہو کل کیا ننھا بھائی؟
احمد کی تھی کھیر چٹائی
دودھ ہی کی تھی کھیر پکائی
سارے گھر نے مل کر کھائی
پھلکیاں۔ پوری اور سموسے
حلوا سوہن اور اندرسے
یہ سارے پکوان ہمارے
بن گھی آخر کیوں کر بنتے؟
کرتے ہیں ہندو گائے کی پوجا
کہتے ہیں وہ اس کو ماتا

جو کرتا ہے اس کی سیوا — دیتی ہے یہ بھی اس کا بدلا
جب تک گائے غرض ہے جیتی — دیتی ہے چیزیں اچھی اچھی
جب یہ بچاری ہے مر جاتی — کھال ہے اس کی کام میں آتی
بیل کو سمجھو اس کا بیٹا — وہ بھی نہیں ہے کام کا ہیٹا
کھینچتا ہے وہ بوجھ ہمارے — سینچتا ہے وہ کھیت کو سارے

جس سے ہم آرام یہ پائیں
کیوں نہ بھلا گُن اس کے گائیں

بدگو قاصد

کسی نے یہ اک پارسا سے کہا — "یہ کہئے تو کچھ آپ نے بھی سُنا
فلاں شخص جس کو ہیں سب جانتے — بڑا ہیں جسے پارسا مانتے
بہت ہی زباں کا ہے وہ تو بُرا — کروں عرض کیا آپ کو جو کہا"
کہا پارسا نے کہ "بھائی خموش — نہایت ہی بے جا ہے یہ تیرا جوش
جو دشمن کا دے دوستوں کو پیام — وہ دشمن سے بدتر ہے اے نیک نام
بری بات دشمن نے گر کچھ کہی — وہ مجھ تک نہ آئی اسی تک رہی
مگر تو نے تو اس کو اے مہرباں — کیا گھر سے دشمن کے مجھ تک رواں
تو دشمن سے بھی ہے بتر میرے دوست — کہ ہے اس کا پیغام بر میرے دوست

مرے پاس آنے کا لینا نہ نام
تری دوستی کو ہے میرا سلام

(سعدیؒ)

دل چسپ نظمیں ہر ننھے بچے کو ضرور پڑھنا چاہیئے قیمت دو آنہ

حاتم اور لکڑہارا

کہتے ہیں ایک روز حاتم سے　　یہ کسی شخص نے سوال کیا
"تم نے اپنے سے بڑھ کے ہمت میں　　کبھی دیکھا کسی کو یا ہے سُنا"
سُن کے اس کا سوال حاتم نے　　ماجرا خود بیان کیا اپنا
لگا کہنے کہ "ایک دن کا ہے ذکر　　گھر میں دعوت کا میرے ساماں تھا
عام دعوت تھی جس کا جی چاہے　　شوق سے آ کے کھائے وہ کھانا
اتفاقاً کسی ضرورت سے　　میں جو جنگل کی سمت جا نکلا
لکڑیاں اپنے سر پہ لادے ہوئے　　دیکھا اک شخص شہر سے جاتا
"بھائی اک بات تو بتلاتے جاؤ"　　روک کر اس کو میں نے یہ پوچھا
آج حاتم کے گھر ہیں سب مہماں　　چاہے بچہ ہو یا وہ ہو بوڑھا
کھا کے دعوت میں خود بھی آتا ہوں　　تم نہیں کیوں گئے سبب ہے کیا"
بات جس وقت میری یہ سُن لی　　مجھ سے کہنے لگا لکڑہارا
"اپنی محنت سے کھائے جو روزی　　کیوں وہ احسان اٹھائے حاتم کا"

اپنے سے بھی بلند ہمت تر
میں نے دیکھا تو بس اُسے دیکھا"

(رگھناتھ سہائے)

نکمّوں کی گنتی

سارے افراد یہ نکمے ہیں
اب گنا تا ہوں اُن کی میں گنتی
بدچلن پُوت ، بدزباں عورت
وہ پڑوسی کہ جس کی خُو ہو بُری
ایسا سالا جو ہو نہ نیک چلن
منہ لگانا نہ تم اسے بھی کبھی
لالچی دوست اور نوکر چور
نہیں زنہار کام کا کوئی
بے عمل عالم اور سپاہی بد
دل! نہ ایسے کی کیجئے ہمراہی
بدلگام اسپ، مطلبی ناصح
ان کی بھی دوستی بہت ہی بُری
نوکری بھول کر نہ تم کرنا
جو ہو کنجوس ایسے آقا کی
ایسا بھائی حسد جو تم پہ کرے
دیکھو گے اس سے بھی ضرر یدی

خیر ہُشیار سب سے تم رہنا
غرض اپنی فقط نصیحت تھی

ہماری بلّی

تم نے دیکھی ہماری بلّی بھی
دیکھو کیسی ہے ہو رہی موٹی
دودھ بھی ہم اسے پلاتے ہیں
چھیچھڑے بھی اسے کھلاتے ہیں
جب سے اس کا یہاں قدم آیا
نام کو بھی نہیں رہا چوہا
کیسی لمبی چھلانگیں بھرتی ہے
چوہوں کا جب شکار کرتی ہے
اس کے پنجے بھی تم نے ہیں دیکھے
کیسے ہیں نرم نرم روئی سے
ناخنوں کو تم اس کے دیکھو اگر
یہی معلوم ہو کہ ہیں نشتر
دیکھنے میں تو پیاری پیاری ہے
میری بلّی بڑی شکاری ہے

پُوت

کوئی چھٹتا نہ اس کے پنجے سے
وہ تو کہیے کہ پر نہیں اس کے
لے ذرا اور پاس آ جاؤ
غور سے دیکھو اس کی صورت کو
پھر نہ کہنے میں کچھ لگے گی دیر
یہ تو بس ہو بہو ہے چھوٹا شیر
رنگ اس کا ہو بھورا یا کالا
اسے کہتے ہیں شیر کی خالا

دولت کا استعمال

جمع کرنا جو مال دنیا کا
یاد رکھنا ضرور تم اِتنا
جمع کرتے ہیں اس لئے پونجی
عمر ہو چین سے بسر اپنی
اور کس کام کا ہے وہ جینا
جس میں کچھ فکر ہو نہ اس کے سوا
مال تو جمع خوب کر لیجئے
اور پھر سَینت کر اسے دھرئے
قصہ اک شخص کا ہے یوں لکھا
ایک عاقل سے یہ سوال کیا
"کون بدبخت، کون ہے خوش بخت
کچھ بیاں ہو کہ ہوں پریشاں سخت"
سُن کے عاقل نے یہ جواب دیا
اُس کو خوش بخت کہتی ہے دنیا
جمع جس نے بہت سا مال کیا
اور پھر اس طرح اُسے خرچا
جس سے خود بھی اسے ملا آرام
اور پھر آیا دوسروں کے کام
اور بدبخت وہ ہے اے فرزند
جس کو ہے صرف جمع کرنا پسند
جس کو رہتا ہے صرف اپنا بچار
ایسے زردار پر خدا کی مار
ایسا ہے مال دار نامسعود
"وہ مرے تو نہ فاتحہ نہ درود" (سعدی)

ایک بھوکا اور ایک چور

ہے پڑھا بوستاں میں سعدی کی | ہم نے قصہ یہ ایک مفلس کا
ایک شب اس کو بھوک کے مارے | نہ کسی طرح چین آتا تھا
کبھی تدبیر کی بُرائی کی | کبھی تقدیر کا کیا شکوا
گھر کے پاس اس کے اک سپاہی نے | تھا کسی چور کو پکڑ رکھا
بیڑیاں اس کے پیر میں ڈالیں | ایک کھمبے سے پھر اسے باندھا
گو کسا تھا وہ خود شکنجے میں | چُپ مگر چور سے رہا نہ گیا
اس نے مفلس کو یوں نصیحت کی | دفتر اس طرح پند کا کھولا
"شکر اللہ کا کرو بھائی | کہ مری طرح تم نہیں بندھوا
کھولتا میں نہیں زباں پھر بھی | گو ہے تقدیر نے مجھے جکڑا"
سُن کے یہ چور کی صدا وہ فقیر | یوں ہوا چپ کہ پھر نہ کچھ بولا
یہ حکایت ہے غور کے قابل | اس سے ہم کو یہ ہے سبق ملتا
آئے ہم پر اگر کوئی آفت | تو مناسب ہے چپ ہمیں رہنا

کیونکہ دنیا میں ہوں گے ایسے بھی
حال جن کا بہت ہے ہم سے بُرا

جس کو کھانے کو بھی نہیں ہے نصیب | رائے ہے اس کی مکر اور فسول
پاس ہے جس کے قوت۔ رائے نہیں | رائے تو اُس کی بس سمجھ لے جنوں

ہم پر آئے اگر کوئی آفت | پھر بھی ہمت نہ چاہیے کھونا
سُکھ ملے بعد دُکھ کے یوں شاید | جیسے تپ کر نکلتا ہے سونا

جناب السیّد مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی زادعنایتہ

مولوی گنج

لکھنؤ - ۲۵ نومبر ۱۹۳۰ء

میں نے سلیس نظموں کے سلسلے میں چند مطبوعہ اور زیادہ تر غیر مطبوعہ نظمیں دیکھیں۔ جو محترمی منشی محمد یوسف صاحب انصاری متخلص بہ ناظم کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ یہ نظمیں باعتبار شیرینی و لطافت بھی ویسی ہی قابلِ قدر ہیں جیسی باعتبار منفعت اخلاقی کے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظم بہ نسبت نثر کے بچوں کو زیادہ یاد رہتی ہے۔ پس درستیٔ اخلاق کے متعلق جو نظمیں نصابِ تعلیم میں داخل ہوں، انھیں محاورے سے درست اور پیچیدگی سے پاک ہونا لازم ہے۔ یہ نظمیں ضرور اس قابل ہیں کہ لائبریریوں میں رکھی اور نصابِ تعلیم میں داخل کی جائیں۔ سب سے بڑی خوبی اِن نظموں کی یہ ہے کہ ان میں کسی مقام پر فارسی کی ترکیب عطف اور اضافت سے کام نہیں لیا گیا۔ ہر مسئلہ کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ حکایتیں بھی دل چسپ ہیں جنھیں بچّے رغبت کے ساتھ پڑھیں گے۔

میں حکومت سے سفارش کرتا ہوں کہ ایسے مصنّفوں اور ایسی تصنیفوں کی قدر افزائی حقیقت اُردو کی حفاظت کی تدبیر ہی نہیں، بل کہ اُردو پر احسان متصوّر ہوگی۔

سیّد مقبول حسین ظریف لکھنوی

حضرت لسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ العالی

باسمہٖ عزّ اسمہ

بامحاورہ سلیس اُردو زبان میں اخلاقی نظموں کا یہ دل آویز مجموعہ نہایت درجہ کار آمد و سبق آموز ہے، نصابِ تعلیم میں اس کتاب کا داخل ہونا بچّوں کی اصلاح و تربیت کے لئے

چوزہ اور آدمی کا بچہ

کسی چوزے کو تم نے ہے دیکھا — باہر انڈے سے جب ہے وہ آتا
یعنے انڈے سے باہر آتے ہی — وہ طلب کرتا اپنی ہے روزی
اب تو تم آدمی کے بچّے کو — اور حالت کو اس کی پھر دیکھو
تم کہوگے اسے گنیں کس میں — نام کو بھی نہ عقل ہو جس میں
شک نہیں کچھ بھی تم یہ کہہ دوگے — اس کی حالت بتر ہے حیواں سے
خیر۔ تو کچھ نہیں ہے اس کے سوا — مدّعا اس مثال سے اپنا
وہ۔ یکایک بنا جو کوئی چیز — اس میں بڑھ کر نہ آئی کچھ بھی تمیز
یعنے۔ چوزہ اگر بڑا بھی ہوا — تو ہوا یہ۔ کہ بن گیا مرغا
اور جو آدمی کا بچہ تھا — رفتہ رفتہ جو اس کو ہوش آیا
بڑھتے۔ بڑھتے وہ اس قدر تو بڑھا — وہ ہوا مرتبہ بلند اس کا
آدمی سے وہ ہو گیا انسان — اور دنیا کے جتنے تھے حیوان
اس نے سب ہی پہ حکم رانی کی — اس طرح اپنی زندگانی کی
کام کی بات ہے یہ سمجھو اب — اس سے ہم نے نکالا یہ مطلب

جلد جو ہو گیا وہ کچھ نہ ہوا
جو بنا دیر میں بڑا وہ بنا
(سعدی)

جاؤ تم شوق سے وہاں بے شک — فائدہ کی جہاں سے ہو کچھ آس
ورنہ کیوں وقت اپنا کھوتے ہو — خشک چشمے سے بھی بجھی ہے پیاس
(بہار) (ہندی)
کرو بات ایسی جو معقول ہو — کہ وہ عقل مندوں میں مقبول ہو

دو فضول کام

سنو اس نصیحت کو اے مہرباں
کہ ایسوں کی محنت گئی رائگاں
جنھوں نے کیا جمع مال اور اُسے
نہ غیروں کو بانٹا نہ خود کھا سکے
پھر ایسوں کی محنت اکارت گئی
جنھوں نے نہ کچھ قدر کی علم کی
یہ ہے علم کی قدر اے باحیا
کتابوں میں ہے، صاف یوں ہی لکھا
عمل علم پر جو نہ اپنے کرے
وہ عالم جئے اور جاہل مرے
نہ جب فائدہ کچھ بھی ان سے ملا
کتابوں کے پڑھنے سے ہوتا ہے کیا
نہ ہے وہ محقق نہ ہے باکمال
خدا نے ہے دی اُسکی خر سے مثال
کہ جس پر کتابیں بہت ہوں لدی
نہیں کوئی اس کے مگر کام کی

وہ عالم کہ رہتا ہے جو بے عمل
اُسے آپ سمجھیں کہ حیواں ہے شل

(سعدیؒ)

ماں کی اطاعت

کیوں پھر بھلا نہ اس کی اطاعت کروگے تم
جس ماں نے تم کو دودھ پلا کر کیا بڑا
کیوں اس کے سکھ کا تم نہ کروگے بھلا خیال
جس نے تمھارے واسطے اکثر ہے دُکھ سہا
تم اس کے اب بڑھاپے میں کیا آؤگے نہ کام
ہے جس نے پال پوس کے تم کو جواں کیا
رکھو یہ یاد ماں کی اطاعت کو سمجھو فرض
خوش تم سے تا رسُول ہوں راضی رہے خدا
ماں تم سے خوش اگر ہے تو اللہ بھی ہے خوش
شاید یہ قول انیسؒ[1] کا تم نے کبھی ہو سُنا

"کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے"

[1] یعنی میر ببر علی انیسؒ لکھنوی

چند نصیحتیں

کچھ بھی تجھے توفیق جو اے دوست خدا دے — نیکی کو تو رکھ یاد۔ بدی دل سے بھلا دے
جتنے بنی آدم ہیں وہ سب تیرے ہیں بھائی — اوروں کو بھی دے اس میں سے جو تجھ کو خدا دے
طاقت کا جو خواہاں ہے، جو صحت کی طلب ہے — کم زوروں کو امداد۔ مریضوں کو دوا دے
گر تیری یہ مرضی ہے، خدا تجھ سے ہو راضی — تو مشورہ میرا ہے، خودی دل سے مٹا دے
گر چاہتا ہے تیری برائی نہ ہو ظاہر — جس طرح بنے، اوروں کے عیبوں کو چھپا دے
اللہ سے جو پایا اُسے خیرات میں کر صرف — ممکن ہے کہ پھر تجھ کو خدا اس سے سوا دے

دنیا میں کر اس طرح بسر زندگی اپنی
دشمن تری تعریف کرے، دوست دعا دے

اچھوں کی اچھی باتیں

طالب جو خدا کا بنے مطلوب وہی ہے — بندہ جو محبت کا ہے محبوب وہی ہے
غالب ہے وہی نفس کو اپنے جو کرے زیر — جو نفس کا تابع ہوا مغلوب وہی ہے
دشمن سے بھی پیش آؤ بھلائی سے ہمیشہ — نیکی میں (رہے یاد کہ) محسوب وہی ہے
ظالم پہ بھی جو رحم کرے، ہے وہی انساں — جو صبر کرے ظلم پر، ایوب وہی ہے
جس کام سے خوش اپنے ہوں ناراض نہ ہوں غیر — ملحوظ رہے آپ کو، مرغوب وہی ہے
جس بات سے راضی ہو خدا، ہے وہی اچھی — جس کام سے ناخوش وہ ہو معیوب وہی ہے

مرزا[1] کی طرح اپنا عقیدہ بھی ہے ناظم
ہر رنگ میں جو خوب ہے خوب وہی ہے

[1] یعنے مرزا دبیر

محبت کا ترانہ

ہر گھڑی دم بھرو محبت کا
خیر مقدم کرو محبت کا

کوئی کیا جانے کیا محبت ہے
ہر مرض کی دوا محبت ہے

بس یہی شان آدمی کی ہے
بل کہ پہچان آدمی کی ہے

آج اس کا اگر رواج نہ ہو
چار عنصر میں امتزاج نہ ہو

اصل میں آدمی کی جان یہ ہے
جان کیسی خدا کی شان یہ ہے

یہ محبت جسے ہوئی حاصل
پوچھئے سچ تو دل ہے اس کا دل

سب سے ہم کو عزیز کرتی ہے
یہ ہمیں کوئی چیز کرتی ہے

نہیں اس کی جہاں یہ ہے ہستی
تم سمجھ لو اُجاڑ وہ بستی

جب بڑا کوئی کام ہوتا ہے
تو محبت کا نام ہوتا ہے

بے دوا ہے یہی شفا دیتی
یہی مُردوں کو ہے جلا دیتی

اسی کارن بھلائی کرتے ہیں
اِس سے بندے خدائی کرتے ہیں

یہی دنیا میں نام کرتی ہے
زیست کا انصرام کرتی ہے

گھر جو معمور ہے محبت سے
سمجھو محفوظ اُس کو آفت سے

اور جس گھر میں اس کا نام نہیں
وہاں انسان کا بھی کام نہیں

ماں کو بچے سے جو محبت ہے
وہ محبت خدا کی قدرت ہے

اپنی راحت کو بھول جاتی ہے
سارے دُکھ درد خود اُٹھاتی ہے

ہے عجب غم گُسار بچے کی
ماں ہے پروردگار بچے کی

حمد واجب ہے اُس خدا کے لئے
جس نے ماں باپ سے شفیق دئے

ککڑی بیچنے والا

ہم نے بہت دِنوں سے ککڑی نہیں تھی کھائی
اس کے لئے طبیعت اپنی جو بھر بھرائی
"لے آئیں چل کے خود ہی" یہ اپنے دل میں آئی
اتنے میں یہ کسی نے آکر صدا لگائی

کیاخوب ککڑیاں ہیں، کیاخوب ککڑیاں ہیں!
مجنوں کی پسلیاں ہیں! لیلی کی اُنگلیاں ہیں!

پڑ جائے دل میں ٹھنڈک جو کوئی اس کو کھالے
جی چاہے ہم سے جتنی گھر بیٹھے وہ منگالے
منھ سے کریں نہ یہ اُف، گر کوئی چیر ڈالے
پھر چاہے مرچ چھڑکے چاہے نمک لگالے

کیاخوب ککڑیاں ہیں! کیاخوب ککڑیاں ہیں!!
مجنوں کی پسلیاں ہیں! لیلیٰ کی اُنگلیاں ہیں!

اب چاہو ان کو چھیلو، چاہے یونہی چبا ؤ
اب چاہے کھاؤ کچّی پکوا کے چاہے کھاؤ
بچّو، جوانو، بوڑھو، سب لینے والو آؤ
لے ختم ہو رہی ہیں بس جلد اب اٹھاؤ

کیاخوب ککڑیاں ہیں: کیاخوب ککڑیاں ہیں!
مجنوں کی پسلیاں ہیں! لیلیٰ کی اُنگلیاں ہیں!

زندگی کا پھل

نوشیرواں کا نام تو ہے تم نے بھی سُنا
اک دن کسی نے اس کو یہ دی جاکے خوش خبر

اے میرے بادشاہ تری عمر ہو دراز
اقبال ہم رِکاب رہے ساتھ ہو ظفر

جب تک یہ آسمان رہے یہ زمیں رہے
مشہور تیرا نام ہو دُنیا میں دادگر

میں یہ نوید لایا ہوں اے میرے بادشاہ
ہندوستاں میں ہوتا ہے ایسا بھی اک شجر

تاثیر اس درخت کے پھل کی جو ہے سُنی
کرتا ہوں میں بیان یقیں تو کرے اگر

پایا وہ جس نے بن گیا دُنیا کا بادشاہ
کھایا وہ جس نے اس کو نہیں موت کا خطر

اس پھل کو جس نے کھایا تو پائی وہ زندگی
"آتی ہے اس کو موت وہ مرتا نہیں مگر"

یہ سُن کے بادشاہ نے فوراً طلب کیا
ایک شخص کو جو سب سے زیادہ تھا معتبر

سب اس کے سامنے یہ کیا ماجرا بیاں
پھر حکم یہ دیا کہ کرو ہند کا سفر

قیمت کا کچھ خیال نہ زنہار تم کرو
"جس طرح تم کو مل سکے لے آؤ وہ ثمر"

القصہ بادشاہ کا قاصد رواں ہوا
کچھ دن کے بعد اس کا ہوا ہند میں گزر

آکر یہاں شروع ہوئی پھل کی جستجو
وہ پھل کہ جس کو کھا کے ملے موت سے مفر

پہنچا ہر ایک دشت میں چھانا ہر ایک بن
بھٹکا ہر ایک شہر میں ڈھونڈھا ہر ایک گھر

دریا میں پھینکے جال۔ تو ڈالے کنوئیں میں بانس
آیا کہیں نہ ہاتھ مگر اس کو یہ گہر

چوبیس گھنٹے اس کو بھٹکنے سے کام تھا
پھر دن ہو، یا ہو رات، وہ ہو شام، یا سحر

ہر اک سے پوچھتا تھا یہی، زندگی کا پھل
بتلائے کوئی مجھ کو، کہ ہے کس درخت پر

یہ سُن کے لوگ ہنس کے اُسے دیتے تھے جواب
"ایران میں نہیں ہے مگر کوئی ڈاکٹر

بس جاؤ اب علاج کراؤ دماغ کا
دیوانگی کا تم میں تو ہے صاف صاف اثر"

ان میں سے ایک جس کی طبیعت میں تھا مذاق ۔ بولا کہ "یہ تو ہے کوئی عنقا سا جانور"
پھر یہ کہا کہ "آؤ بتائیں تمھیں پتا ۔ جاؤ عدم میں پاؤ گے تم اس کی دُم کے پر"
اک بولا "ہم بتائیں یہ ہے زندگی کا پھل ۔ اس شرط سے کہ تم اسے لے آؤ ڈھونڈھ کر"
یہ کہہ کے اپنے اپنے وہ رستے پہ ہو لئے ۔ بیٹھا رہا وہیں پہ یہ تھامے ہوئے جگر
دل میں تھا درد آنکھوں میں آنسو تھے لب پہ آہ ۔ حالت یہ تھی کہ کچھ اسے آتا نہ تھا نظر
اتنے میں اپنے پاس کسی کی صدا سُنی ۔ آنکھوں کو اس نے پونچھ کے دیکھا اِدھر اُدھر
دیکھا کہ پیر مرد ہے اک سامنے کھڑا ۔ ہے جس کی مارے ضعف کے خم ہو گئی کمر
بڈھے نے اس کو دیکھ کے غم گیں کیا سوال ۔ آئے ہو کس مقام سے جاتے ہو تم کدھر"
اس شخص نے بیان کی پھر اپنی سرگزشت ۔ کس واسطے وہ ہند میں پھرتا ہے دربدر
جب سُن لی پیر مرد نے سب اس کی داستاں ۔ اس کو دیا جواب نہایت ہی مختصر

تم عِلم کے درخت ہی میں پاؤ گے اسے"
وہ پھل کہ جس کے کھانے سے مرتا نہیں بشر

بدلے کا گھر

بھول جانا نہ کہیں میری نصیحت بھائی ۔ یاد تم رکھنا کہ بدلے کا یہ گھر ہے دنیا
نہ بُرا چیتو کسی کا ۔ کہ بُری بات ہے یہ ۔ تم بھلا چاہو ہر اک کا کہ تمھارا ہو بھلا
نہ غرور آئے کبھی دل میں تمھارے ہرگز ۔ جانتے بھی ہو بڑے بول کا ہے سر نیچا
دیکھتا وہ نہیں دنیا میں بھلائی ہرگز ۔ جو کسی کی ہے بُرائی کا ارادہ کرتا

میرؔ کی طرح یہی ہم نے بھی دیکھا اکثر
"اینٹ اُٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ پتھر آیا"

ندی کی سرگزشت

یہ تو فرماؤ مجھ سے بی ندی　　بات کا تم جواب دو میری
تھکی ماندی کہاں سے آتی ہو　　اور پانی کہاں سے لاتی ہو
اور اب ہے تمھیں کہاں جانا　　یہ تو بتلاؤ ہے ارادہ کیا؟
ایسی آہستہ تم تو ہو چلتی　　جیسے ہو تم کو فکر کچھ گہری
ندی کہنے لگی کہ "اے بھائی　　سنو پیدا پہاڑ پر میں ہوئی
پرورش تو مری ہوئی مینہ سے　　اور گہوارے تھے مرے، چشمے
پھول تھے جس قدر وہاں جنگلی　　کام دیتے تھے سیج کا میری
ہاں تو اک روز کی حکایت ہے　　سوجھتی جو مجھے شرارت ہے
ایک دن صبح کو جو میں جاگی　　وحشیوں کی طرح نکل بھاگی
بھاگنے سے بہت ہی میں خوش تھی　　بس نہ پوچھو شرارتیں میری
نہ لگا دل جو آبشاروں میں　　کھیلنے آئی سبزہ زاروں میں
خوب پھولوں کو میں نے پیار کیا　　وقت میرا بڑے مزے میں کٹا
اپنے آغوش میں مجھے لے کر　　مجھ پہ پھولوں نے دی اُڑھا چادر
اب کہاں ہیں وہ خوش نُما منظر　　گُم ہوئے سب وہ خواب سا بن کر
اب تو میں یہ یقین ہوں کرتی
کہ سمندر میں ہوگی قبر مری" (انگریزی سے)

خون بہ جائے گر تو بہنے دیں　　اُترے لیکن نہ دیکھئے پانی
سر کے جانے کی اس کو فکر نہیں　　جس نے عزت ہے ناک کی جانی (گجراتی)

خرگوش اور کچھوا

ایک خرگوش اور کچھوے میں
ہوا اس بات پر بڑا جھگڑا

کہا خرگوش نے کہ "ہوں چالاک"
بولا کچھوا کہ "میں بھی ہوں سُرتا"

بولا خرگوش "ہوں بڑا ہُشیار"
کہا کچھوے نے "میں بھی ہوں ایسا"

بولا خرگوش "ہوں بڑا مکّار"
کہا کچھوے نے "میں ہوں تجھ سے سوا"

اب تو خرگوش کو نہ تاب رہی
اور کچھوے کو اس نے للکارا

بولا "بکواس چھوڑ او ڈھینڈس
کیوں پھرایا ہے تو نے سر میرا

پھر تو کرنا برابری میری
دھو گڑھیّا میں پہلے منھ اپنا

کون ہوں میں یہ جاننا بھی ہے
مجھ سے واقف زمانہ ہے سارا

دوڑ میری، ہوا سے لڑتی ہے
اور بگولا ہے میرا مُنھ تکتا

یاد ہیں مجھ کو ایسے چھل بٹے
لومڑی کو بھی ہوں سبق دیتا

سامنے میرے آئے تو کیا خوب
مینڈکی کو بھی لو زکام ہوا"

سُنکے خرگوش کی یہ سب ڈینگیں
کہا کچھوے نے "منہ سنبھال ذرا

پھر کہا اُس نے ہنس کے کچھوے سے
"ہے یہی بات تو بہت اچّھا

نہ رہے یہ بھی حوصلہ باقی
ابھی ہو جائے فیصلہ اس کا

ہاں تو ہوگی یہاں سے شرط شروع
پار جنگل کے وہ جو ہے نالا

بس وہیں تک ہے دوڑنا ہم کو
ایک 'دو' تین' دوڑ' میں یہ چلا"

کہہ کے یہ ہو گیا ہَوا خرگوش
اور کچھوا ابھی رینگتا نکلا

دوڑ خرگوش کی غضب کی تھی
یہ گیا، وہ گیا، وہ جا پہنچا

آدھے رستے جب آگیا خرگوش
دل میں اپنے یہ بات وہ سوچا

آؤ اک نیند تو ذرا لے لیں
کیا بگڑتا ہے اس سے کام اپنا

اُسکو آنے کو چاہیے گھنٹوں
دور ہو گا ابھی بہت کچھوا

کہہ کے یہ بات سو گیا خرگوش
خیر کچھوے کی سنئے آپ کتھا

دھیمی دھیمی وہ چال ہے یکساں
بس گھسٹتا ہوا چلا ہی گیا

پہنچا القصہ وہ وہاں آکر
جہاں خرگوش تھا پڑا سوتا

کچھ بھی پروا نہ اس نے کی اس کی
اس کو سوتا ہوا وہیں چھوڑا

اور یوں ہی قدم بڑھائے ہوئے
جا کے نالے کے پاس ہی ٹھہرا

بعد دو، تین، چار، گھنٹے کے
میاں خرگوش کو جو ہوش آیا

دیکھتا کیا ہے ہو گئی ہے شام
بوکھلا کر وہاں سے وہ بھاگا

پہنچا القصہ جا کے نالے پر
ٹھوکریں کھاتا، مُنہ کے بل گرتا

دیکھا خرگوش کو جو کچھوے نے
ہنس کے بولا کہ "آگئے بیٹا!

اب نہ تم ڈینگ مارنا ہرگز
نہ بڑائی کی اب کبھی لینا

ہار یہ چاہیے بھول جاتا تم
ہاں مگر یاد تم ذرا رکھنا

یعنے سُستی سے تیز گاموں کی
سُست رفتار جیتے ہیں پالا"

نافضل اولاد

نہ وہ اپنے دل میں ہو مغموم ماں
اگر پیٹ سے اس کے پیدا ہو مار

وہ بہتر ہے ناکارہ فرزند سے
نہ بھولے وہ اس کو نہ ہے گر ہوشیار

بے حد مفید ثابت ہوگا۔ سیدھے سادے خیالات، صاف ستھری ہندوستانی زبان میں اس خوبی سے ادا ہوئے ہیں کہ اُس سے بہتر ممکن نہیں۔ دائرہ نظم اُردو میں جو کمی تھی وہ بحمدہٖ جناب ناظم انصاری کی ادنےٰ توجہ سے پُوری ہو گئی ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

۲۹ نومبر ۱۹۳۰ء

صفی لکھنوی

جناب حکیم السیّد علی صاحب آشفتہ لکھنوی زاد عنایتہ مدیر مبصّر لکھنؤ

یہ ایک اخلاقی نظموں کا مجموعہ ہے، جو بچوں کی تعلیم کے لئے میرے مکرم دوست جناب ناظم انصاری نے پیاری پیاری آسان اور بامحاورہ اُردو میں ترتیب دیا ہے۔ جناب ناظم مشہور انشاپرداز ہونے کے ساتھ فن تعلیم اولاد میں وافی تجربہ رکھتے ہیں اور قدرت نظم کا ادنیٰ وصف یہ ہے کہ سولا سترا سو شعر میں کسی جگہ فارسی کی اضافت موجود نہیں۔

میرے نزدیک یہ کتاب ضرور محکمۂ تعلیم میں قبول و انعام کی مستحق ہے۔ اور اس قابل ہے کہ بچے کیا، نادان بوڑھے بھی اس کا مطالعہ فرمائیں، نصائح نہایت لطیف پیرائے میں کئے گئے ہیں، بچوں کے احساسات میں اُن کے تجربے اور عقل کی مناسبت سے اضافہ کرنے کی سعی کامیاب ہے۔

میں جناب ناظم کی خدمت میں ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں

حکیم آشفتہ

یکم دسمبر ۱۹۳۰ء

فقیرنی کی بلّی

ایک بڑھیا کے گھر میں اک بلّی
بچپنے ہی سے رہتی سہتی تھی

تھی بہت ہی غریب وہ بڑھیا
بھیک ہی کا اُسے سہارا تھا

ٹکڑے بڑھیا جو مانگ لاتی تھی
اپنی بلّی کو بھی کھلاتی تھی

سُوکھی سہمی تھی جس طرح بُڑھیا
تھا وہی حال اس کی بلّی کا

نہ تھی ہمت قُلانچیں بھرنے کی
نہ تھی طاقت شِکار کرنے کی

ایک دن اِتفاق یہ گزرا
کچھ بھی بڑھیا کو بھیک میں نہ مِلا

جھونپڑی میں پلٹ کے وہ آئی
کہا بلّی سے کیا کروں بیٹی

آج افسوس بھیک بھی نہ ملی
میں بھی بھوکی رہوں گی اور تو بھی

کہہ کے یہ بات پڑ رہی بُڑھیا
دل میں بلّی کے یہ خیال آیا

اب گھر ایسے کے چاہیے جانا
پیٹ بھر کر جہاں ملے کھانا

وہ اسی طرح بُڑبُڑاتی ہوئی
اک پڑوسی کے در پہ جا پہنچی

جوں ہی کھانے کی اُس نے بُو پائی
بے تحاشا وہ گھر میں گھس آئی

دیکھا ماما نے تو وہیں جھٹ سے
سر پہ لکٹی لگائی اک کھٹ سے

بھاگی بلّی وہ بلبلاتی ہوئی
چیختی اور غل مچاتی ہوئی

سر سے بہتا تھا خون کا نالا
پھر وہیں آئی جس نے تھا پالا

آکے بڑھیا کے پاؤں پر وہ گری
غل سے ہُشیار ہو گئی وہ بھی

دیکھا بلّی کا اس نے جو یہ حال
گو کہ اس کو ہوا بہت ہی ملال

لیکن اس طرح پھر وہ چلّائی
"اس نے لالچ کی یہ سزا پائی"

بلّی کی اُستادی

سب چلن جانتے ہیں بلّی کے — مگر سب مانتے ہیں بلّی کے
جانتا یہ بھی ہے ہر اک بچا — ہے یہ مشہور شیر کی خالا
اس نے سب شیر کو سکھائے فریب — مکر اور فن سے بھر دی اسکی جیب
فن بتائے شکار کرنے کے — ڈھب بتائے قلانچیں بھرنے کے
سارے دنیا کے اس کو رنگ بتائے — تیرنے کے بھی اس کو ڈھنگ بتائے
تیرنا، دوڑنا، ذقن بھرنا، — سب ہی کام آئے شیر کو کرنا
پوچھا اک روز اُس نے بلّی سے — "خالا امّاں یہ کہیئے اب مجھ سے
اور بھی کوئی بات ہے باقی — جو ابھی تک نہ میں نے ہو سیکھی"
کیا بلّی نے اپنے دل میں خیال — اس نے مجھ سے کہیں نہ کی ہو چال
کہیں ایسا جو ہو خدا نہ کرے — پہلے میرا ہی فیصلہ نہ کرے
بولی مسکین بن کے "بس بیٹا — اب تو باقی نہیں ہے کچھ بھی رہا"
شیر دل میں یہ اپنے تب سوچا — اس کو پہلے ہی چاہیئے کھانا
کہہ کے یہ بات اُس نے ماری پھلانگ — خالا بلّی کی لیجیے بس ٹانگ
حال بلّی نے جب کہ یہ دیکھا — پاس ہی اک درخت تھا اُونچا
یہ تو جا بیٹھی بس وہاں چڑھ کر — شیر یوں ہی ٹھٹک گیا بڑھ کر
بولی بلّی "میں پہلے سمجھی تھی — ہے ضرور اس میں کوئی مکّاری
بس زمیں اب تو ناپتا رہنا — یوں ہی جنگل میں ناپتا رہنا
رکھنا اس بات کا ہمیشہ وِرد — بڑھتے استاد سے نہیں شاگرد"

بُری صحبت

کہتے ہیں اک کسان کا طوطا — جو نہایت ہی خوب صورت تھا
دیکھا جاتا تھا کھیت میں اکثر — کیوں کہ اس کا وہیں کہیں تھا گھر
خوب کھاتا درخت کے میوے — کچھ نہ کہتا کسان بھی اُس سے
میاں مٹھو غرض بہت خوش تھے — کھیت میں سارے اینڈتے پھرتے
تھی مگر ایک ہی بُری عادت — یعنی کوؤں کی رکھتا تھا صحبت
ایک دن ساتھ مل کے کوؤں کے — کھیت گیہوں کا وہ لگا کھانے
اب کہیں کیا کہ اس بچارے کا — دشمنوں سے زیادہ ناس کیا
ایسا غصہ کسان کو آیا — جا کے بندوق وہ اُٹھا لایا
اور آتے ہی گولی اک ماری — میاں مٹھو کی ٹانگ میں وہ لگی
گرا طوطا وہیں پہ ٹیں کرکے — میاں مٹھو غرض ہوئے لنگڑے
آیا دوڑا ہوا وہاں یہ کسان — باقی طوطے میں تھی ابھی کچھ جان
کرکے افسوس اُس کو گھر لایا — پنجرے میں یہ کہ کے بٹھلایا

اُڑے کوؤں میں کیا ترا تھا کام
بری صحبت کا ہے بُرا انجام

شکر

تا نیک ہو انجام اور اچھا آغاز — کر شرم غریبی سے نہ دولت پر ناز
ہر حال میں کر شکر ادا خالق کا — جا بس یہی کہنا تھا تری عمر دراز

موت

سو سال جئیں آپ کہ دو سو کہ ہزار — دنیا کی سرا سے ہے نکلنا ناچار
ہو کوئی شہنشاہ کہ ادنیٰ ہو فقیر — ہو جائے گا ہر ایک کا یکساں بازار

ایک تھکا ہوا مسافر

ف بہت ایک تھا تھک گیا — نہ جاتا تھا بالکل ہی اس سے چلا
روتا تھا بیٹھا ہوا زار زار — شکایت یہ کرتا تھا "اے کردگار
دُنیا میں مجھ سی مصیبت کڑی — کسی پر نہ زنہار ہوگی پڑی
ت مُفلسی کا غریبی کا غم — نہ ہاتھوں میں طاقت نہ پیروں میں دم
یں پاس کشتی ہے' ساحل ہے دُور — نہیں زور رہے مجھ میں منزل ہے دور
، کوتہ قدم اور منزل دراز — میں آیا خدا ایسے جینے سے باز"
ہم راہ رہ بر نہ تھا پاس ہاں — وہ بیٹھا تھا یوں ہی شکایت کناں
زراک گدھے کا وہاں پر ہوا — جو تھا بوجھ لادے کہیں جا رہا
سافر کا دیکھا جو یہ اس نے حال — لگا کہنے اس سے کہ "اے خوش خصال

بہت تجھ سے راضی ہے پروردگار،
کہ میری طرح سے نہیں تجھ پہ بار"

دولت، علم، سیاست

ہوگے خسارے میں ہرگز نہ بھائی — اگر یاد رکھو یہ باتیں ہماری
بجز تین باتوں کے ہرگز نہ بھولو — نہیں تین چیزوں کو ہے استواری
تجارت سے جب تک نہ اس کو بڑھاؤ — ترقی کرے گی نہ دولت تمہاری
کہو فائدہ کیا ملا علم پڑھ کر — رہے بحث کرنے ہی سے تم جو عاری

سوم ہے سیاست کی اس کو ضرورت
جو ہو بادشہ اور کرے ملک داری

(سعدی)

ہَوا اور سُورج

سُنیں آپ اک روز کا ماجرا ہَوا اور سُورج میں. جھگڑا ہوا
ہَوا پہلے. بولی مچا کر یہ شور کہ مجھ میں کہیں تجھ سے بڑھ کر ہے زور
بگڑ کر یہ سورج نے اُس سے کہا سمجھتا نہیں ہیں کہ بکتی ہے کیا
دکھاؤں اگر اپنی میں گرمیاں تو دنیا پکارے ابھی الاماں
تجھے اپنی طاقت دِکھادوں ابھی جسے تو کہے میں جلادوں ابھی
ذرا ہوش میں آ نہ بیہودہ بک خدا جانے تو مارتی کیا ہے. جھک
قیامت کے دن دیکھنا میرے رنگ کہ ہوگی مِرے زور سے خلق دنگ
ہَوا. بولی میں یہ نہیں جانتی ترے زور کو یوں نہیں مانتی
کیا تونے پہلے بھی ہے کوئی کام کہ لکھ دوں یونہی تیرا مردوں میں نام
تجھے یاد تو ہوگا تو بھی تو تھا ہوا حال کیا عاد کی قوم کا
ہر ایک اُس پہ بیداد میں نے ہی کی وہ سب قوم برباد میں نے ہی کی
غلط ہو جو قصہ مِرے زور کا تو وہ حال میرا جو ہو چور کا
ابھی تک تو پالا ہے میرے ہی ہاتھ قیامت کی باتیں قیامت کے ساتھ
کہا پھر تو سُورج نے اے بدشعور تری عقل میں آگیا ہے فتور
ابھی میں نکالوں گا تیرا غرور غرض آج شرمندہ ہوگی ضرور
یہ جھگڑا تھا دونوں میں ہو ہی رہا کہیں اک مسافر وہاں آگیا
ہَوا سے یہ سُورج نے اُس دم کہا . جبھی جانوں دے اس کے کپڑے گرا
اُسی وقت مانوں گا میں اپنی ہار . جو لائے گی تو اس کے کپڑے اُتار

ا بولی، یہ کیا بڑی بات کی — ابھی لے، ابھی لے، ابھی لے، ابھی

یہ کہہ کر ہوا تو ہوا ہوگئی
جہاں میں قیامت بپا ہوگئی

رض وہ چلی سنسناتی ہوئی — اکڑتی ہوئی، دندناتی ہوئی
ں زور سے بلبلاتی ہوئی — پہاڑوں کو جنبش میں لاتی ہوئی
ہ کھیتوں کو پامال کرتی ہوئی — کسانوں کو بدحال کرتی ہوئی
ختوں پہ زور آزماتی ہوئی — پھلوں کو زمیں پر گراتی ہوئی
یبردں کے در کھڑکھڑاتی ہوئی — غریبوں کے چھپّر اُڑاتی ہوئی
ارے قیامت کے بھرتی ہوئی — مکانوں کا سُتھراؤ کرتی ہوئی
ندوں پہ بیداد کرتی ہوئی — پرندوں کو برباد کرتی ہوئی
ندوں کو بستی دکھاتی ہوئی — بلندوں کو پستی دکھاتی ہوئی
ہ دریا کی لہروں سے لڑتی ہوئی — چلی کشتیوں پر بگڑتی ہوئی
سمندر کو چکر میں لاتی ہوئی — جہازوں کو ٹکّر لگاتی ہوئی
ٹکتی ہوئی اور بھٹکتی ہوئی — مخالف کو اپنے پٹکتی ہوئی
لک پر گئی بُڑبُڑاتی ہوئی — دھوئیں بادلوں کے اُڑاتی ہوئی
ہ باغوں کو ویران کرتی ہوئی — عنادل کو بے جان کرتی ہوئی
ہ سبزے کو پیروں سے مَلتی ہوئی — چلی اپنی رَو میں مچلتی ہوئی
ر اک سے چلی چھیڑ کرتی ہوئی — زمیں دوز سب پیڑ کرتی ہوئی
زمانے میں اندھیر کرتی ہوئی — زبردست کو زیر کرتی ہوئی

وہ شہروں کو ویران کرتی ہوئی
بیاباں، خیابان کرتی ہوئی

وہ اپنوں سے بھی بیر کرتی ہوئی
چلی ہر طرف سیر کرتی ہوئی

چلی رسّیاں وہ تڑاتی ہوئی
بگولے فلک تک اُڑاتی ہوئی

بگولوں کو اونچا بناتی ہوئی
مُناروں کو نیچا دکھاتی ہوئی

مشایخ کو حیران کرتی ہوئی
مساجد کو ویران کرتی ہوئی

برہمن سے بیکار کرتی ہوئی
مَنادِر کو مسمار کرتی ہوئی

بگولوں کی رسّی میں کَسْتی ہوئی
چلی وہ ہر اک پر برستی ہوئی

غرض ہر طرف وار کرتی ہوئی
چلی سب سے پیکار کرتی ہوئی

ہوا حال چھوٹے بڑے کا تباہ
زمانہ تھا سب کی نظر میں سیاہ

ہوا نے مچایا جو ایسا فتور
ہر ایک زباں پر تھا بس یا غفور

مسافر نے دیکھا جو یہ ماجرا
درے میں وہ ایک کوہ کے گھُس گیا

لیا جِسم پر اپنے کمّل لپیٹ
وہیں پر گیا بس سُکڑ کر وہ لیٹ

نہ اپنی جگہ سے وہ بالکل ہلا
یوں ہی لپٹا لپٹایا لیٹا رہا

ہوا رہ گئی یوں ہی تھک ہار کر
نہ اُترے مُسافر کے کپڑے مگر

کہا ہنس کے سورج نے ہمشیر بس
کہ باقی ہے کچھ اور دل میں ہوس

نہ کام آئی زور آزمائی تری
ہوئی خوب ہی جگ ہنسائی تری

مچایا بہت تُو نے دنیا میں شور
بھلا خیر، اب دیکھ میرا بھی زور

تو اب ٹھہر جا دیکھ چلتا ہوں میں
تو اب بیٹھی رہنا نکلتا ہوں میں

یہ کہہ اور اُٹھا اپنے منہ سے نقاب

ہوا رفتہ رفتہ بلند آفتاب

چمکتا ہوا اور دمکتا ہوا
جھلکتا ہوا اور ڈلکتا ہوا

کرن کا وہ بھالا ہلاتا ہوا
چلا طیش میں بلبلاتا ہوا

زمانے کو روشن وہ کرتا ہوا
چلا آسماں پر ابھرتا ہوا

وہ توسن کو مہمیز کرتا ہوا
چلا گرمیاں تیز کرتا ہوا

وہ تپتا ہوا اور تپاتا ہوا
چلا وہ ہوا کو جھپاتا ہوا

پڑی ایسی گرمی کہ گھبرا گیا
سمندر کے منہ میں بھی کف آگیا

جو گرمی کے تیور بگڑنے لگے
سمندر میں چھالے سے پڑنے لگے

ہوا حال گرمی سے ایسا برا
حبابوں کی لی اس نے چھتری لگا

وہ دریا کی موجوں کو تھا اضطراب
ٹپکتے تھے اپنے سروں کو حباب

سروں کو کسان اپنے دھننے لگے
اناج ان کے کھیتوں میں بھننے لگے

نہ چلتی ہوا تھی نہ اڑتی تھی گرد
ہوئے سب کے چہرے تمازت سے زرد

بٹھائی وہ گرمی نے دنیا میں دھونس
گئے پیاس کے مارے جاں دار تونس

لگی ہونے گرمی کی وہ ریل پیل
بدن کے تلوں کا نکلتا تھا تیل

زمانے میں گرمی کا وہ زور تھا
پسینے سے ہر اک شرابور تھا

وہ گرمی تھی یا آسمانی بلا
پکارا ہر اک "میں جلا میں جلا"

وہ گرمی نے کی ان کی حالت خراب
ہوئے ٹہنیوں پر پرندے کباب

ہوئے دونوں گرمی سے جینے سے سیر
ہرن جنگلوں میں، کچھاروں میں شیر

دکھائی وہ گرمی نے اپنی امس
کسی کو نہ تھی زندگی کی ہوس

ہوا نے جو سورج کا دیکھا یہ جوش تو اُڑنے لگے اب تو اُس کے بھی ہوش

ڈرے میں مسافر تھا سُکڑا پڑا
ہوا حال گرمی سے اُس کا بُرا

پڑی جب نہ اُس کو وہاں کوئی کَل وہ گھبرا کے بس کھوہ سے آیا نکل
ہوا جو بُرا اُس کا گرمی سے حال دیا پھینک کمبل کہ تھا اِک وَبال
غرض ایسا گرمی نے دنگا کیا کہ بالکل بچارے کو ننگا کیا
نہ ٹوپی، نہ کُرتا، نہ چادر، رہی فقط اک لنگوٹی بندھی رہ گئی
نکل آئی تھی منھ سے باہر زباں مچاتا تھا شور اَلاَماں اَلاَماں
کہا ہنس کے سورج نے دیکھا بہن اجازت ہے، لے اب یہ کپڑے پہن
مرا زور دیکھا کہ دیکھے گی اور بس اب چھوڑ دے شور کرنے کا طور
مگر یاد رکھ یہ مری بات تُو نہ بکنا کبھی اب خُرافات تو
مچاتے جو غل ہیں، جو کرتے ہیں شور نہیں اُن کا چلتا کسی پر بھی زور
خموشی سے کرتے ہیں جو اپنا کام اُنھیں کا زمانے میں روشن ہے نام

نصیحت نہ یہ بھول جانا کہیں
گرجتے جو ہیں وہ برستے نہیں

ایسے شخصوں سے رہنا تو بچ کر مَیں یہاں ان کا ہوں ذکر کرتا
ایسا بیٹا نہ جو حکم مانے اُس کو اپنے سے تُو دُور رکھنا
ایسی عورت نہ جس میں حیا ہو دیکھ تو دُور اس سے بھی رہنا
آدمی ایسا جو ہو نکھٹّو دوست اس کو نہ ہرگز بنانا

(ہندی سے)

لالچی کُتّا

یہ کہانی سُنو ایک کُتّا — تھا کنارے سے دریا کے جاتا
تھا لئے مُنہ میں وہ آدھی روٹی — تھی وہ دن بھر کی اُس کی کمائی
اپنا سایہ جو پانی میں دیکھا — دل میں اپنے یہ سمجھا وہ کُتّا
ہے یہ میرا ہی ہم جنس کوئی — اس کے مُنہ میں بھی ہے آدھی روٹی
چھین لوں مُنہ سے آدھی جو اس کے — بیٹھ کر کھاؤں ساری مزے سے
یہ خیال آتے ہی وہ جو بھونکا — گر پڑا وہ بھی روٹی کا ٹکڑا
کھوئی آدھی بھی ساری کے پیچھے — کرکے لالچ نہ کچھ پایا اُس نے
جو پڑھے یہ مزے کی کہانی — پھر وہ لڑکا ہو چاہے ہو لڑکی
اُس سے میری طرف سے یہ کہہ دو — بھول جانا نہ میرے کہے کو
چھوڑ آدھی نہ ساری پہ لپکو — ہو نہ ایسا کہ کھو دو تم اس کو

لالچی کا ٹھکانا نہیں ہے
کچھ بھی لالچ سے مِلتا نہیں ہے

گدھے کی تعلیم

میں نے اِک بے وقوف کو دیکھا — اِک گدھے کو سبق پڑھاتا تھا
دیکھا اِک عقل مند نے جو یہ حال — خندہ پہلے تو آیا اُس کو کمال
بولا پھر وہ ہنسی کو کرکے ضبط — ارے نادان چھوڑ دے یہ خبط
یہ نہیں سیکھنے کا بات کوئی — تو مگر سیکھ اس سے خاموشی
تاکہ دُنیا میں ہو نہ رُسوائی — یہی کہنا ہے تجھ سے جا بھائی

(سعدی)